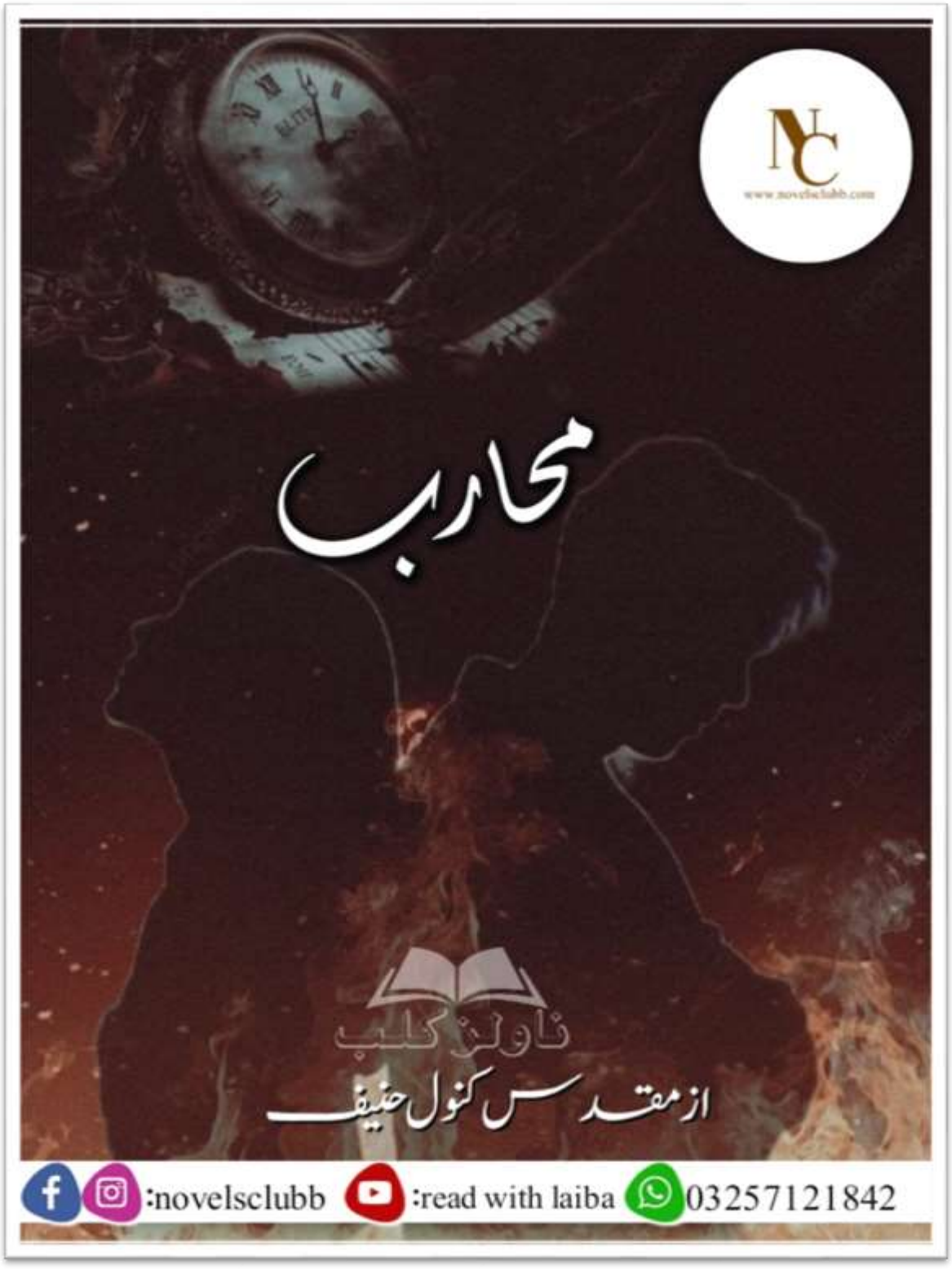
محارب
ناولز کلب
از مقدس کنول حنیف
:novelsclubb
:read with laiba
03257121842

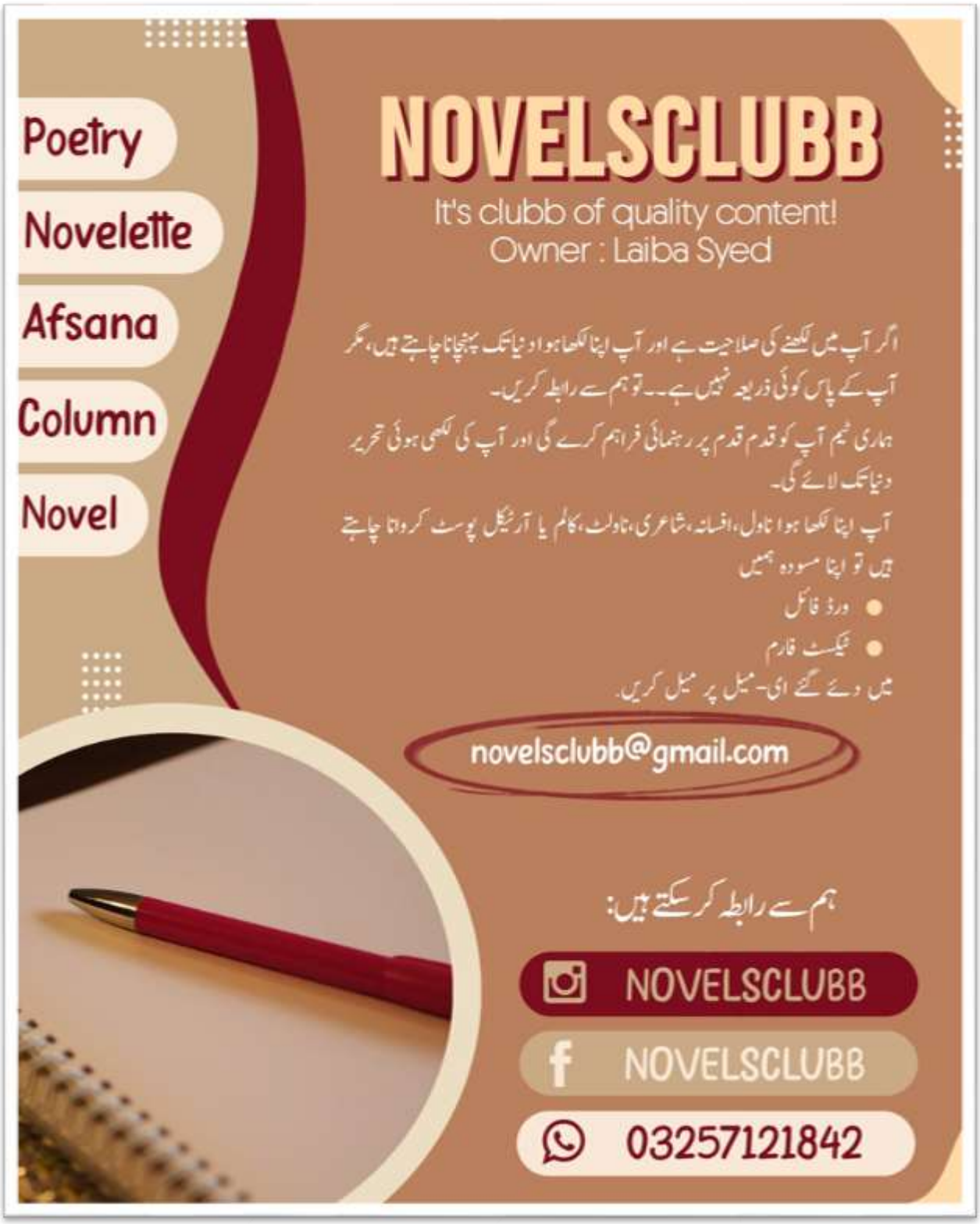
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دیے گئے ای۔میل پر میل کریں۔
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

محارب

از قلم

کنول حنیف

www.novelsclubb.com

محارب

از قلم کنول حنیف

محارب میرا پہلا ناول ہے۔مجھے اس ناول سے اتنی محبت ہے جتنی ماں کو اپنے پہلے بچے سے ہوتی ہے۔جس طرح پہلا بچہ عورت کو ماں ہونے کا احساس دلاتا ہے اسی طرح پہلی لکھائی ایک عام آدمی کو لکھاری ہونے کا احساس دلاتی ہے۔کئی احساس بہت حسین ہوتے ہیں۔اس ناول نے میری لکھائی کو نکھارا ہے۔مجھے کئی بار حوصلہ دیا ہے۔کئی بار مجھے ہیل کیا ہے۔یہ کہانی میرے ذہن میں کب آئی اس سے فرق نہیں پڑتا۔ہاں میں نے اسے کب لکھنا شروع کیا شاید یہ اہم ہے ۔اس کہانی کو مجھے بننے میں دو سال لگ گئے۔کیونکہ یہ کہانی حقیقت سے قریب ہے۔مجھے حقیقت لکھنا پسند ہے۔ہر کہانی خود کو خود لکھواتی ہے۔الفاظ لکھاری کے لیے وحی کی طرح ہوتے ہیں۔جب چاہتے ہیں نازل ہوتے ہیں۔میرے لیے یہ پوری کہانی ایک وحی طرح تھی۔ جو مجھ پر نازل ہوتی گئی اور میں اسے کسی قرطاس کے نام کرتی گئی۔میری کہانیوں میں آپ کو

شہزادہ سب کچھ نہیں ملے گا۔ شہزادہ کچھ ہو سکتا ہے۔ مگر وہ سب کچھ نہیں ہو سکتا۔ میری کہانیوں میں شہزادی زخمی تو ہو گی لیکن اسے مرہم لگانے کے لیے کوئی شہزادہ نہیں آئے گا۔ یہ کام وہ خود کرے گی۔ کیونکہ اصلی زندگی میں کوئی شہزادہ نہیں آتا۔ ہر شہزادی کو اپنے زخم خود ہی ٹھیک کرنے پڑتے ہیں۔ حقیقت کی دنیا میں شہزادی کو اپنا شہزادہ خود بننا پڑتا ہے۔ یہ حقیقت ہے ۔یہ زندگی ہے۔ ہر کہانی کو لکھنے کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ میرا اس کہانی کو لکھنے کا مقصد شہزادی کو یہ بتانا تھا کہ شہزادہ کہ اگر وہ قید سے خود نہیں نکلے گی تو اسے باہر کا راستہ بھی کوئی نہیں دکھائے گا۔ یہ کہانی میرے لیے بہت مشکل تھی۔ اس کو بننا بہت مشکل تھا۔ لیکن اگر آپ کو اللہ پر بھروسہ ہو تو سب ممکن ہو جاتا ہے۔ اللہ کے کرم سے میں اس ناول کی پہلی قسط شائع کروانے جا رہی ہوں۔ ہو سکتا ہے یہ آپ کو پسند آئے۔ ہو سکتا ہے یہ کہانی آپ کے معیار پر پوری نہ اترے۔ کیونکہ ہر چیز ہر انسان کے لیے نہیں ہوتی۔ ہر کہانی کا اپنا ذائقہ ہوتا ہے۔ جیسے ہر کھانے کی اپنی ایک الگ لذت ہوتی ہے۔ ہر کسی کو ہر ذائقہ پسند نہیں ہوتا کیونکہ سب کا اپنا اپنا ٹیسٹ ہوتا ہے۔ امید آپ کو میری یہ کہانی پسند آئے گی۔ کیونکہ اس میں ہم سب کی زندگی کا

کوئی نہ کوئی پہلو چھپا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ کہانی بہت عام ہو۔ لیکن میری یہ کہانی بہت مختلف ہے۔ ہمارے معاشرے کا یہ چلن ہے کہ مرد کے بغیر عورت ادھوری ہے۔ اس ناول میں، میں نے اسی ٹیبو کو توڑنے کی کوشش کی ہے۔ عورت کو اللہ نے مکمل پیدا کیا ہے۔ ہر انسان مکمل ہے۔ کوئی کسی کو مکمل نہیں کرتا۔ شکریہ۔

میں اپنے اس ناول کو اس ذات کے نام کرتی ہوں۔ جس نے مجھے لکھنا سیکھایا۔ جو مجھ سے لکھوا رہا ہے۔

(میں اپنے اس ناول کو اللہ کے نام کرتی ہوں۔)

www.novelsclubb.com

قسط نمبر ایک۔۔۔۔

"ساحر لفظ"

"Magician words"

یہ کھیل جو کھیلے جاتے ہیں۔

بن آواز جو دل توڑے جاتے ہیں۔

ان کے پیچھے راز چھپے ہیں۔

انسانوں سے زیادہ الفاظ برے ہیں۔

آو تمہیں میں اک راز ایسا بتلاؤں۔

بتلا کہ وہ راز تمہیں سیانا کہلاؤں۔

www.novelsclubb.com

یہ جو لوگ مارے جاتے ہیں۔

یہ لفظوں سے کھیل جو کھیلے جاتے ہیں۔

یہ زمانہ ہے جدید میرے دوست۔

یہاں لفظوں مارے تیر جاتے ہیں۔

یہ تیر ہیں نوکیلے بڑے،ان کے زہر کا ہے کوئی تریاق نہیں۔

کئی بار ہوتے ہیں یہ تیر میٹھے میٹھے سے۔

دیتے ہیں درد انجانے سے۔

www.novelsclubb.com

ہوں جیسے ہم ان سے بیگانے سے۔

پہلے یہ کانوں میں رس کی طرح گھلتے ہیں۔

پھر یہ بشر کو تصویر میں اتارتے ہیں۔

جب اتر جاوے کوئی مکمل ان کی تصویر میں۔

پھر یہ ہوتے ہیں بادشاہ کھیل کے اور نچاتے ہیں پیادوں کو جیسے چاہتے ہیں۔

پھر یہ جب تھک جاویں۔

کھیل میں ان کو مزہ نہ آوے۔

www.novelsclubb.com

پھر یہ دکھاتے ہیں رنگ ہزار اپنے۔

جن سے ہوتے ہیں انجان اپنے۔

یہ کھیل جو کھیلے جاتے ہیں۔

بن آواز جو دل توڑے جاتے ہیں۔

ان کے پیچھے راز چھپے ہیں۔

انسانوں سے زیادہ الفاظ برے ہیں۔

اس دل کی کھیتی میں بن موت کئی بشر مرے ہیں۔

www.novelsclubb.com

ان الفاظوں کے ہیر پھیر سے اجڑے ہیں دل کئی۔

مگر کیا تمہیں معلوم ہے۔

کیا ہے ان لفظوں نے برباد کتنوں کو۔

دیا ہے درد ہزاروں کو۔

کیونکہ یہ الفاظ ہیں دھوکہ۔

جو سننے میں لگتے ہیں سارنگہ۔

لفظ ساحر ہیں۔ کرتے طاری یہ طسم ہیں۔

www.novelsclubb.com

ان کے جادو سے تم کو بچنا ہے۔

پھونک پھونک کہ اس نگری

میں تم کو قدم رکھنا ہے۔

کالج کے ایڈمن بلاک کی سیڑھیوں پر بیٹھی وہ مورنی کی آنکھوں والی قدرے بیزار سی دکھتی تھی۔جو ہمیشہ لوگوں کو آتے جاتے ہوئے تنگ کرنے میں مصروف ہوتی آج خود ہی اداس بیٹھی ہوئی تھی۔کچھ لڑکیاں جو اس کے پاس سے گزرتی تھیں اسے حیرت کی نگاہوں سے ذرا دیر کو تکتی اور پھر اوپر چلی جاتیں۔

بچے آتے جاتے رہے مگر وہ ایسے ہی بیٹھی رہی۔شاید اسے لوگوں کی نگاہوں سے کچھ خاصہ فرق نہیں پڑتا تھا۔

اچانک دھپ سے کوئی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔سیڑھیوں کے پاس "کھڑے درخت کی ٹہنی

قدرے آگے کو جھولی "شاید اسے بھی تجسس تھا اس لڑکی کے یوں گم صم ہو جانے کی وجہ کو جاننے کا۔

پہلے سے بیٹھی لڑکی نے اب ذرا سی گردن موڑ کے ساتھ بیٹھنے والی لڑکی کو دیکھا۔

ساتھ بیٹھی لڑکی نے بھنویں چڑھائی جیسے پوچھ رہی ہو کیا ہوا۔

ٹہنی اب اور متجسس ہوئی۔ وہ ذرا سا جھول کے آگے ہوئی جیسے آواز اس تک نہ پہنچتی ہو۔

کچھ نہیں ٹائم ختم ہونے والا ہے کمرے میں چلیں۔ درخت کی باقی ٹہنیوں نے اس آگے کو جھکی شاخ کو ایسے دیکھا جیسے کہ رہی ہوں "مل گئے چسکے" جھکی شاخ کو مورنی کی آنکھوں والی لڑکی پر شدید غصہ آیا اور پھر وہ رونی سی شکل لے کے واپس پیچھے ہو گئی۔ باقی شاخیں ہوا کے جھونکے سے لہرائیں جیسے اس کی ناکامی کا جشن منایا گیا ہو۔

چل چلیں ویسے بھی اب کیمسٹری کا لیکچر ہے۔ سر بلال کو تو موقع چاہیئے۔ ساتھ بیٹھی لڑکی نے اداس مورت کو دیکھ کر کہا۔ اور اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اٹھ گئی۔ اب وہ دھپ دھپ سیڑھیا چڑھ رہی تھیں شائد سر آنے والے تھے۔

ایسا کیا ہے جس نے کیا گم صم اس قدر

ہو گئی بیگانی وہ جو دنیا سے اس قدر

وہ جو ہنستی تھی لوگ کہتے اس قدر

مگر اب اداس ہے وہ کیوں اس قدر

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام علیکم ! مورنی کی آنکھوں والی لڑکی نے گھر میں داخل ہوتے ہے سلام کیا۔ کالے رنگ کے بستے کو جو اس نے ایک کندھے پر لٹکایا ہوا تھا اتار کر ساتھ رکھے صوفے پر رکھ دیا۔ اب وہ ادھر ادھر نگاہیں دوڑا رہی تھیں کیوں کہ ابھی تک امی نے سلام کا جواب بھی نہ دیا تھا اور وہ خود بھی کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ ابھی وہ نظریں دوڑانے میں مصروف تھی کہ کچن سے کھٹ پھٹ کی آوازیں اسے سنائی دے گئیں۔

اف مطلب امی کچن میں ہیں۔ مورنی کی آنکھوں والی لڑکی بڑبڑاتے ہوئے کچن کہ جانب بڑھ گئی۔

دراصل مورنی کی آنکھوں والی لڑکی ایک گاوں میں رہتی تھی۔اس کی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں۔بالکل ایسی جیسے مورنی آنکھیں ہوتی ہیں۔اس کے گھر میں اس کے امی،ابو کے علاوہ ایک چھوٹی بہن تھی۔بس اس کا خاندان فقط چار لوگوں کا تھا۔

"کسے معلوم ہے چار خانوں والے دل کے ہوں گے حصے چار ہزار"

مورنی کی آنکھوں والی لڑکی کا نام دعا صفدر تھا۔دعا صفدر کے والد صفدر محمود صاحب کوئی امیر کبیر آدمی نہ تھے مگر وہ بہت غریب بھی نہ تھے۔

عام انسانوں کی طرح ان کی زندگی بہت خوب گزر رہی تھی اور وہ اکثر اپنی دونوں بیٹیوں کو دیکھ کر مسکراتے رہتے تھے۔جیسے بہت دل سے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوں۔

صفدر محمود ایک نرسری کے مالک ہیں اور گھر اور گاڑی دونوں دستیاب ہیں۔

ہماری مورنی کی آنکھوں والی کچن میں پہنچ چکی ہے۔امو وو اتنی گرمی میں یہاں کیا کر رہی ہیں۔دعا نے امی کو پیچھے سے پکڑتے ہو پوچھا۔امی بیسن پہ جھکی سبز مرچیں دھو رہی تھیں۔شاید نہیں یقیناوہ کسی کی میزبانی کی تیاری کر رہی تھیں۔

کچھ نہیں بیٹا وہ آج تیرے ماموں لوگ آرہے ہیں نہ بس اسی کی تیاری میں مصروف ہوں۔امی نے مرچوں کو کاٹتے ہوئے کہا۔

چلو جی ان لوگوں کو بھی بس ٹورے پھیرے کی پڑی ہوتی ہے۔مورنی سی آنکھوں والی نے گاجر کو کترتے ہوئے کہا۔امی نے فوراً اسے گھوری ڈالی جیسے کہ رہی ہو "خبردار میرے بھائیوں کے بارے میں کچھ کہا تو"

میں تو ان کے فائدے کا ہی سوچ رہی ہوں، کہاں گرمی میں مرتے ہوئے آئیں گے اور پھر راحیلہ ممانی آتے ساتھ کہیں گی "یہ کون سا اے سی ہے ٹھنڈک ہی نہیں بلکل بھی، کس کمپنی کا ہے، میں نے ابھی اپنا بدلوایا ہے تم لوگ بھی وہی لگوالو۔

www.novelsclubb.com

ساتھ مورنی آنکھیں ایسے گھماتی تھی

"دیکھنے والا بنانے والے کی تخلیق کو سراہے بغیر نہ رہ سکے "کون کہتا ہے

دعا وہ مامی ہیں تیری ایسے نقل مت اتارا کر بیٹا۔امی نے پیازوں کو کاٹتے ہوئے کہا۔

دعا اپنی پہلی گاجر کتر چکی تھی اب دوسری گاجر کو پکڑنے کو تھی جب امی نے اس کے ہاتھ پہ الٹی

چھری ماری۔

دعا نے بلک کے ہاتھ پیچھے کھینچا، ماتھے پہ شکنیں پڑی، آنکھیں ایسے کر لیں جیسے سڑک پر بھیک مانگتا ہوا بچہ کرتا ہے جب اسے گاڑی والا اچھا بھلا امیر بھی دس روپے نہ دے۔

امی آپ نے کسی دن ہاتھ کاٹ دینے ہیں میرے، ہاتھ مسلتے ہوئے کہا گیا۔

حرکتیں ہی ایسی ہیں بنا کاٹے گزارہ بھی نہیں۔امی اب پیازیں دیگچی میں ڈال رہی تھیں، کچن میں چھن چھن کی آواز کے ساتھ ہلکی سی خوشبو پھیل گئی تھی۔

ہاں ہاں، پتہ ہے مجھے کونسے بدلے لے رہی ہیں، دعا نے امی کی طرف رونی شکل بناتے ہوئے کہا ،سچ تھا امی کو اس پہ غصہ تھا کیونکہ جو بیدہ بیگم کو ذرا نہیں برداشت کوئی اس کے بھائیوں کو کچھ کہے۔

چل جا وردی بدل لے۔نہ ہاتھ منہ دھوئے۔نہ کچھ۔۔بس آتے ساتھ ہو گی شروع۔کوئی تمیز نہیں۔کوئی سلیقہ نہیں۔یہ نہیں کہ امی کے ساتھ ہاتھ ہی بٹا دوں۔بس زبان چلوالو میڈم سے۔

امی نے دیگچی اب کچھ ڈال رہی تھیں۔پورے کچن میں بھینی بھینی خوشبو پھیل گئی۔جو لگتی

بھوک اور بڑھانے اہم کردار ادا کرتی تھی۔

امی جارہی ہوں، بس کریں۔ابھی ہاری تھکی آئی ہوں آپ کام پہ لگادیں۔دعا بڑبڑاتے ہوئے کچن سے باہر نکل گئی۔اس کا رخ سیڑھیوں کی جانب تھا۔

کچھ دیر بعد___

ماموں لوگ آچکے تھے۔وہ سب لاؤنج میں بیٹھے تھے۔امی ہنستے ہوئے انھیں چائے دے رہی تھی۔امی کے منہ کی مسکراہٹ دیکھنے والی ہوتی جب اس کے بھائی آتے تھے وہ ایسے ہی خوش ہوتی تھیں۔ذرا دیر کو بھی مسکراہٹ چہرے سے جدا نہ ہوتی تھی۔چہرے کی چمک ایسی ہوتے جیسے برسوں سے ڈھونڈنے والے کو خزانہ مل گیا ہو، جیسے طبیب کو کسی مرض کی دوا مل گئی ہو ، جیسے کسی عاشق نے اپنے محبوب کی اک جھلک دیکھ لی ہو، جیسے مرنے والے کو زندگی ملی ہو۔وہ بہن تھی اور ہر بہن اپنے بھائیوں کی آمد پر اپنے آپ کو خوش نصیب تصور کرتی ہے۔اسے کسی شے کی غرض نہیں ہوتی، نہ ہی کوئی لالچ۔چاہے وہ عمر کے کسی بھی حصے میں اپنے بھائیوں کی آمد پر کسی قسم کی کوتاہی نہیں برتتی۔بہنوں کا رشتہ ایسا ہی ہوتا ہے بھائیوں کا سر پر ہاتھ دھرنا ہی

دولت ہوتا ہے، دنیا انمول نعمت ہوتا ہے۔ ہر بہن کی طرح دعا کی ماں بھی اپنے بھائیوں سے بہت محبت کرتی تھیں۔ کبھی کبھی تو مورنی آنکھیں جلنے لگتی ان کی اس قدر محبت سے اور پھر خدا کا شکر ادا کرتی کہ اس کا کوئی بھائی نہیں تھا۔ ورنہ پتہ نہیں وہ بھی ساری زندگی سیوا ہی کرتی رہتی

۔

خیر امی ان سب کو چائے سرو کر چکی تھیں، جو بیدہ بیگم بار بار اوپر کی جانب دیکھتی تھی۔ ان کی شہزادی جو نہیں آئی تھی ابھی تک سلام کرنے۔ اللہ جانے کتنی سلواتیں وہ دل ہی دل میں دعا کو بک چکی تھیں۔

آپا دعا کہاں ہے نظر نہیں آئی۔ ماموں سعید نے پوچھا جو جو بیدہ بیگم کے لاڈلے اور سب سے چھوٹے بھائی تھے۔ دراصل جو بیدہ تین بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے۔ امجد اور مجید جو بیدہ بیگم کے بڑے بھائی ہیں اور سعید اس سے چھوٹا اور اسے سب سے ہینڈسم بھی۔

وہ ابھی آئی ہے کالج سے ذرا فریش ہونے گئی ہے، بس آتی ہو گی۔ ماموں نے مسکرا کر بسکٹ اٹھایا اور باقی سب کی سوال کرتی نگاہوں کو قرار نصیب ہوا۔

قرار دعا کے ہوتے ہوئے اس کی ماں کو تو کم از کم نصیب نہیں ہو سکتا۔

تقریبا سینتیس سیڑھیاں پھلانگ کے دائیں جانب نظر آنے والے کمرے کے ادھ کھلے دروازے سے جھانکو تو مورنی آنکھیں موبائل پہ گڑی ہوئی ہیں۔

اگر تم غور کرو تو دیکھ پاو کہ مورنی نک سک سی تیار بیٹھی ہے۔سبز جوڑے میں ملبوس ہماری مورنی کسی آفت سے کم نہیں لگ رہی۔مورنی آنکھیں موبائل پہ کچھ پڑھنے میں مصروف ہیں ۔شائد کوئی میسج ہے کیونکہ آفت اب مسکرا رہی ہے،اب وہ اپنی مخروطی،لمبے ناخن والی انگلیوں سے جن پہ ناخن پالش کے کئی شیڈ لگائے گئے ہیں کچھ ٹائپ کر رہی ہے۔

دعا کی مورنی سی آنکھیں، گھنی پلکیں، تیکھا، کھڑا ناک،اور باریک ہونٹ اسکی اداؤں میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔

مورنی آنکھیں بار بار دروازے کی طرف اٹھتی تھیں، ظاہر ہے ہماری ملکہ وکٹوریہ انتظار کر رہی ہے کہ والدہ ماجدہ آئیں اور اسے باہر آنے کی دعوت دے کے جائیں۔

اتنے میں دھڑام کی آواز سے دروازہ کھلتا ہے۔امی اندر داخل ہوتے ہوئے اللہ جانے کتنی دعائیں

دعا کے نام کرتی ہیں۔

نک سک سی تیار لڑکی دھڑام کی آواز سے گھبرا کر بیڈ سے اٹھی، موبائل غریب کا گرتے گرتے بچا۔ابھی تو کل اس کا موبائل ہاتھ سے چھوٹا تھا اور پھر پورے ساتھ ہزار میں اس نے پینل پڑوایا تھا۔ہماری غموں کی ماری غریب، ذرا سی شوخی، دنیا جہاں کی معصوم دعا۔

تم مجھے بتادو اصل میں چاہتی کیا ہو؟ سوال کیا گیا۔

آپ کو ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتی ہوں بس اتنی سی خواہش ہے میری تو، اسی معصومیت سے جواب دیا گیا۔

اور بس اب یہاں جو بیدہ بیگم کی بس ہو گئ۔امی کی آنکھیں شعلہ کی طرح دہکنے لگیں۔

میں سمجھتی ہوں تمہاری سب خواہشیں۔امی نے جھکے ہوئے چہرے کی طرف غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

بس آپ ہی تو ہیں اس ظالم دنیا میں جو مجھے ہی نہیں میری خواہشوں کو بھی بن کہے جان جاتی ہیں ۔ایک اور معصوم دلیل دی گئ۔

نہ تم یہ بتاؤ تمہیں کیا نیچے دیکھنے آیا ہے کوئی جو یہ اتنا سنگھار کر کے بیٹھی ہوئی ہو۔اس کا میک اپ توامی کو دکھا ہی اب تھا۔

امی وہ میرے ماموں ہیں کیا کہیں گے منہ اٹھا کے ایسے ہی آجاتی ہے۔انھیں لگے گا میں خوش نہیں ہوئی ان کے آنے سے،بس اسی لئے آپکی خوشی کو مد نظر رکھتے ہوئے ذرا سا بیس لگایا ہے۔

امی نے ایک نظر اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ذرا دیر کو توامی بھی سحر زدہ ہوئیں۔غصہ قدرے کم ہوا۔

کم بخت دلیلیں ہی ایسی دیتی تھی،بلکہ وضاحتیں پیش کرتی تھی۔

ٹھیک ہے۔مگر ذرا یہ سرخی کم کرو اچھا نہیں لگتا۔امی نے اب کے قدرے دھیمے لہجے میں کہا۔

اور بس ہو گئی مورنی روہانسی۔امی اللہ کی قسم ابھی میں نے ذرا سی ہی لگائی ہے۔کچھ بھی ہو جائے دعا کی لپسٹک کم نہیں ہو سکتی۔آنکھیں ٹمٹماتے ہوئے صاف بتایا گیا کہ "دعا ملنے جائے گی تو سرخی نہیں ہٹائے گی"۔

بھلا لپسٹک کے بنا بھی کوئی تیاری ہوتی ہے۔اس کے مطابق لپسٹک میک اپ کی ملکہ تھی۔

ہمارے زمانے میں لڑکیاں شرم کے مارے سرمہ نہیں لگاتی تھیں، ہم تو کبھی اپنے بھائیوں کے سامنے سرخی لگا کے نہیں گئے۔ ہونٹ ایسے لگ رہے ہیں جیسے کسی جانور کا خون پی آئی ہو۔ امی کی بھی عجیب منطق تھی۔ کہاں لپسٹک کو جانوروں کے خون سے ملا دیا۔ آج کل کی لڑکیوں کا تو اللہ حافظ ہے۔ امی کہتے کہتے کمرے سے باہر نکل گئیں مگر دروازہ سارا کھول گئیں۔

"مطلب صاف تھا میرے پیچھے پیچھے آو"۔

ہماری مورنی بھی پھر چل دیں پیچھے پیچھے، مگر ایک اور بار لپسٹک ٹھیک کرنا نہ بھولی۔ امی تو کتنی مرتبہ یہ بھی کہہ چکی ہوں کہ یہ سور کی چربی سے تیار ہوتی ہے۔ جب اسے سور کی چربی سے کوئی مسلہ نہیں تو خون سے کیوں ہو گا بھلا۔ چلو خیر ہے۔

اسلام علیکم ورحمتلہ وبرکتہ ! مطلب مورنی آنکھوں والی، دل کو لبھانے والی، خوشیوں کو بھانے والی، مسکراہٹوں کو سجانے والی لاؤنج میں پہنچ چکی تھی۔ حسن کی ملکہ کا ایک ہی مطالبہ ہے جہاں وہ ہو وہاں کسی اور شے کو ترجیح دینا گناہ ہے۔ محفل میں موجود ہر شخص کی نظر فقط دعا پہ ہو۔ لوگ اس کی خوبصورتی کے قصیدے پڑھیں، اس کی آنکھوں کی چمک میں کھو جائیں، اس کو دیکھنے

والے سحر زدہ ہو جائیں۔

وعلیکم السلام بیٹا! کئی آوازیں ایک ساتھ آئیں تھیں۔ جن میں ماموں اور ممانی کے بیٹا کہنے کی آوازیں تھیں لیکن ایک آواز ماموں کے ساتھ بیٹھے طلحہ کی تھی۔

طلحہ دعا کے تایا کا بیٹا تھا۔ طلحہ صفدر صاحب کے بڑے بھائی اختر محمود کی پہلی بیوی سے ہونے والی اکلوتی اولاد۔ اختر صاحب کی پہلی بیوی طلحہ کی پیدائش کے وقت ہی دنیا فانی سے کوچ کر گئیں ۔اختر صاحب فوج کی نوکری کے ساتھ ساتھ کم از کم طلحہ کی پرورش تو نہیں کر سکتے تھے۔ایسے میں جو رستہ بچتا تھا وہ ایک ہی تھا دوسری شادی۔ جس سے طلحہ کو ماں مل جاتی، گھر کو مالکن اور اختر صاحب کو بیگم۔ طلحہ کی پیدائش اور اسکی ماں کی وفات کے چند دن بعد ہی اختر صاحب نے شادی کر لی تھی۔

دراصل طلحہ کے ابو فوج میں تھے، ریٹائرمنٹ کے وقت انھیں حکومت کی جانب سے لاہور میں ایک بنگلہ برائے تحفہ دیا گیا تھا۔اس لیئے وہ لوگ گاؤں چھوڑ کر لاہور چلے گئے۔ چونکہ دعا کے ماموں لاہور کے رہنے والے تھے اس لئے وہ جب بھی گاوں آتے طلحہ بھی ان کے ساتھ آجاتا۔

ماشااللہ!"اللہ نظر بد سے بچائے ہماری بیٹی کو"ماموسعید، مجید اور امجد نے اسے پیار دیتے ہوئے کہا مورنی آنکھیں تینوں ماموں سے پیار لینے کے بعد تمام مہمانوں پر نظر ثانی کر رہیں تھیں۔

مورنی اب مامی کی جانب بڑھ رہی تھیں۔خدا ہی جانے ہماری مورنی کو راحیلہ خاتون سے کون سا بیر پڑ گیا تھا۔

کیسی ہیں مامی جان؟ذرا نزاکت سے سوال کیا۔

ممانی جو کہ سرخ رنگ کے کامدار جوڑے میں ملبوس تھیں دعا کے طنز کو سمجھتے ہوئے گال بھی ذرا غصے سے لال ہو گئے۔

تینوں ماموں سیٹر صوفے پہ بیٹھے تھے۔ممانی ان سے قدرے فاصلے پہ سنگل صوفے پر براجمان تھیں۔

اللہ کا شکر ہے بیٹا۔آپ سنائیں کیسی ہیں۔کیا چل رہا ہے آج کل۔ممانی دعا کی طرف مصنوعی مسکراہٹ اچھالتے ہوئے بولیں۔

دعا کو ہمیشہ کی طرح انتظار رہتا تھا کہ ممانی اس کی تعریف کریں، کم از کم کچھ تو بولیں۔وہ دعا کی

شان میں، شائد ایک آدھ لفظ تو کہہ ہی دیں۔

مگر ممانی بھی ممانی تھی۔پورے خاندان میں دعا کی آنکھیں مشہور تھیں۔خوبصورتی اس کے آنکھوں پہ پہنچ کر اختتام کو جاتی تھی۔

مگر راحیلہ وہ واحد عورت تھی جس نے دعا کی خوبصورتی سمیت کبھی اس کے کپڑوں کی بھی تعریف نہیں کی تھیں۔

بس یہی بات دعا کو آگ لگانے کے لئے کافی ہوتی۔

جو لوگ توجہ لینے عادی ہوں انھیں وہ لوگ بلکل نہیں بھاتے جو ان کی ذات کو نظر انداز کر دیں۔ایسے لوگوں کو فقط وہی انسان خوشی دیتے ہیں جو ان کے قصیدے بھی پڑھتے ہوں مگر ہاں ذرا فاصلے بھی رکھتے ہوں۔

کیونکہ چپکو لوگوں سے توجہ کھینچنے والوں کو کوفت سی ہونے لگتی ہے۔یہ تعریف تو چاہتے ہیں مگر سپیس بھی ہاں مگر انھیں انتظار ہوتا ہے راحیلہ جیسے لوگوں کے منہ سے فقط چند الفاظ سنے کا، جو انھیں مسرت دیتا ہے۔

خیر اب ہم راحیلہ ممانی کے سامنے میز کے اس پار بیٹھے شخص کو دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ وہ پچھلے پندرہ منٹ سے صرف دعا کو گھورنے میں مصروف ہے۔

دعا ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے ممانی کے ساتھ والے صوفے پر بڑے استحاق سے براجمان تھی۔

کیا تمہیں لگتا ہے کہ اسے معلوم نہیں کہ عین اس کے سامنے بیٹھے طلحہ صاحب اسے گھور رہے ہیں۔

اوں ہوں وہ سوچ رہی ہے کہ طلحہ یہاں تاڑنے ہی اسے آتا ہے۔

مورنی آنکھیں ذرا سی گھومتی ہیں اور طلحہ کو اپنی جانب دیکھتے پا کر واپس راحیلہ ممانی کی طرف کسی انجانے موضوع کا حصہ بن جاتی ہیں۔

ماموں اب اپنی بھانجی جو کہ ہے اپنی عمر سے بھاری کچھ کہہ رہے تھے، جس پر وہ دل سے مسکرا رہی تھی۔

"چلیں بہت ہو گئی باتیں شاتیں، کھانا لگا چکا سب آ جائیں"۔

جوبیدہ خاتون نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

www.novelsclubb.com

سب اٹھ کے جو بیدہ بیگم کے پیچھے چلے گئے۔

مگر طلحہ وہیں بیٹھا تھا اور دعا اپنا دوپٹہ ٹھیک کر کے جانے ہی والی تھی جب طلحہ کی آواز نے اس کے بڑھتے قدموں کو زنجیر کیا۔

"اب اور نہیں رہا جاتا، شادی نہ صحیح کم از کم سگائی تو ہونی ہی چاہیئے "ذرا سا شرما کر بتایا گیا یا پھر پوچھا گیا یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے۔

اچھا جی، مورنی کرنٹ کھا کے پلٹی، مورنی آنکھیں کبوتر کی آنکھوں کی مانند چھوٹی ہوئیں۔

جی، طلحہ نے ہاتھ سے بالوں کو درست کرتے ہوئے کہا۔

تو کروالیں کس نے روکا ہے۔

"میرے مشوروں کی ضرورت تمہیں کب سے پڑنے لگی۔"

بالوں کو نزاکت سے پیچھے اڑستے ہوئے بتایا گیا۔

"جب سے دل کو تیرے ساتھ کی چاہ لگی ہے۔" طلحہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

جی، دعا نے قدرے حیرانگی سے پوچھا۔ چہرہ ذرا آگے کیا۔

کچھ نہیں بس ایسے ہی، طلحہ نے جوتے کی نوک سے فرش کو رگڑتے ہوئے کہا۔

"دیکھو طلحہ میں سب سمجھتی ہوں تمہارا یہ کچھ نہیں"، مورنی آنکھیں ساتھ ساتھ ایسے گھومتی تھیں۔ جیسے زبان سے کم آنکھوں کے اشارے سے زیادہ سمجھا رہی ہو۔

طلحہ ویسے ہی کھڑا بنا پلکیں جھپکائے ایک نظر یک ٹک سا اسے تکے جا رہا تھا۔

دیکھنے والے کو یہی لگے جیسے بچہ استاد سے الجبرا سمجھ رہا ہو۔

وہ بول رہی تھی اور وہ سن رہا تھا یا پھر مسحور سا اسے فقط دیکھ رہا تھا۔

"بہتر ہے کوئی اور ڈھونڈ لو، میں نے کبھی تمہیں کوئی لارے نہیں لگائے، کبھی تم سے کوئی ایسی ویسی بات نہیں کی، وقت رہتے پلٹ جاو۔ کبھی کبھی کچھ لوگوں پہ دستبرداری دے دینی چاہیے۔ کچھ لوگ ہمارے لیے نہیں ہوتے۔ کچھ لوگ دل کی تمنا کو پورا نہیں کر سکتے۔ کچھ لوگ ہمیں کبھی میسر نہیں ہو سکتے۔ اس لیے ضد لگانے سے بہتر ہے بندہ آرام سے دل کو تھپکی دے اور آگے بڑھ جائے۔ وہ اب بھی اسے دیکھ رہا تھا جیسے جو چاہو کہو مجھے فرق نہیں پڑتا۔ وہ مسلسل بول

رہی تھی۔

"ان راہوں میں وہ کانٹے ہیں جو دیکھنے میں سرخ پھول لگتے ہیں مگر چھونے پر لہولہو کر دیتے ہیں"۔

طلحہ کا سحر ٹوٹا،اک پل کو دل میں درد کی ٹھیسیں بھی اٹھی،آنکھوں کا گہرا بھورا رنگ سیاہ سا ہوا ۔ہاتھوں کو پینٹ کی جیبوں سے کھینچ کے بہار نکالا،کالی شرٹ پر بندھی کالی ٹائی کی ناٹ جھنجھلا کے قدرے ڈھیلی کی،اس وقت میں بھی اس کی نظر فقط دعا پر تھیں۔

دعا بائیں ہاتھ کی دوسری انگلی میں پہنی انگوٹھی کو کبھی گھمانے لگ جاتی، کبھی نکال کے واپس پہنتی۔

کبھی انگوٹھی کو دیکھتی کبھی طلحہ کے بدلی ہو گندمی رنگت کو دیکھتی،جو ہلکی ہلکی سرخ ہو گئی تھی۔

کئی لمحے سرک گئے، کئی حرف الفاظ تو بنے مگر بن کہے رہ گئے، مگر آنکھیں حال دل کا کرتی رہی بیاں۔

ان دونوں کے درمیان میز تھا،وہ ذرا سی دوری پر تھے،دیکھو تو بہت قریب تھے، سمجھو تو فاصلہ

اس قدر کہ مسافت طے نہ ہو مسافر تھک جائے۔

"کبھی کبھی ہم بہت پاس ہو کر بھی صدیوں کی مسافت پہ ہوتے ہیں۔جتنے قدم آگے بڑھاتے ہیں راستہ اتنا ہی لمبا ہوتا چلا جاتا ہے۔ایسے میں کئی لوگ تھک کر گر جاتے ہیں اور کئی گر کر اٹھ جاتے ہیں اور عمر کہ آخری حصے تک اس صدیوں کے فاصلے کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ممکن ہے زندگی میں کچھ چیزیں ختم نہ ہو سکیں لیکن وہ کم تو ہو سکتی ہیں۔" وہ بولنا شروع ہوا تو بولتا ہی چلا گیا۔

دعا کا چہرہ بلکل ایسا تاریک ہوا جیسے کالج میں بیٹھی لڑکی کا تھا۔

طلحہ میز کے اس پار سے نکل کر دعا کی اوڑ بڑھا،دعا یونہی کھڑی رہی، گردن اکڑائی، طلحہ اس کے قریب آیا بہت قریب مگر ایک افسوس بھری نگاہ ڈال کے باہر نکل گیا۔

ایک لمبا سانس لیا، سینے پہ ہاتھ رکھا ایک اور لمبا سانس اندر کھینچا۔مورنی آنکھیں ریلیکس ہوئیں ۔انگھوٹی ٹھیک کی جو میں پچھلے پانچ منٹ سے الٹی سلٹی گھما کے چھوڑ رکھی تھی۔

"اف اللہ، پتہ نہیں کیا چاہتا ہے۔ڈرا ہی دیا مجھے، خیر ڈرتی تو میں اپنی ماں جو بیدہ بیگم کے سوا کسی

کے باپ سے بھی نہیں ہوں"۔

خود کو یقین دہانی کرائی گئی۔

خیر آج مورنی آنکھوں ک چھوڑو مورنی زبان نے بھی کمال کر دیا۔

اوہ میرے خدایا، کیا ڈائیلاگ مارے ہیں۔ مورنی آنکھیں خوشی سی چمک اٹھیں۔

لگتا ہے امبر گیلانی کا اثر ہو ہی گیا۔ کمبخت پتہ نہیں کہاں سے الفاظ لاتی ہے۔ وہ کہتے ہوئے سیڑھیوں کی جانب بڑھنے لگی۔

کون کہتا ہے کہ یہ وہی لڑکی تھی جو صبح اداس بیٹھی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آپی آپ کو پتہ ہے دعا آج اداس تھی۔ سفید قمیض شلوار پہنے ہوئے، سر پر گہرے نیلے رنگ کا دوپٹہ اوڑھے ہوئے یہ امبر گیلانی تھی۔

جو لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ ساتھ ساتھ اپنی بڑی بہن کنزہ گیلانی سے باتوں میں مگن تھی۔

کیوں ایسا کیا ہوا۔ تم تو کہتی تھی دعا بہت چل لڑکی ہے۔ وہ کبھی اداس نہیں ہوتی۔

کیاری میں کھرپی سے گوڈی کرتی ہوئی لڑکی نے بتائی گئی معلومات کی بنیاد پر سوال پوچھا۔ اس کی پیٹھ امبر کی جانب تھی، وہ جس مہارت سے گوڈی کر رہی تھی باغبانی کی شوقین لگتی تھی۔

ہوتی تو نہیں ہے مگر آج تھی، چائے کی چسکی بھرتے ہوئے کہا۔ چائے منہ جاتے ہی دماغ تر و تازہ ہو جاتا تھا۔

اچھا تم نے پوچھا نہیں، گوڈی کرنے والی لڑکی نے پھر پوچھا۔

امبر نے جوتے نکالے، ٹانگوں سامنے رکھے میز پر رکھیں، ذرا سنبھل کے بیٹھی اور ایک اور چائے کا گھونٹ بھرا مطلب اب بولنے کو تیار ہے۔

www.novelsclubb.com

وہ جب بھی بحث کے موڈ میں ہوتی پہلے سنبھل کے بیٹھتی، پھر بات شروع کرتی۔

"پوچھا تھا"۔ مختصر جواب مطلب صاف سوال و جواب کے مشغلے کا وقت ہوا چاہتا ہے۔

گوڈی کرتے ہاتھ رکے، کنزہ گیلانی نے ذرا سا پیچھے موڑ کے دیکھا۔ گلابی کپڑوں پر گلابی دوپٹہ تھا ۔دوپٹہ سر سے سرک گیا۔ سیاہ گھنے بال ڈھلتے سورج کی نارنجی روشنی میں چمکنے لگے۔

اسے معلوم تھا اس کی بہن اس موضوع پر طویل گفتگو چاہتی ہے۔

"مختصر جواب مطلب گفتگو طویل" گلابی کپڑوں والی منہ میں بڑبڑای، اس کا حساب بھی دنیا سے ہٹ کے ہی ہے۔

تو پھر کچھ بتایا۔ وہ بھی تیار تھی سوال وجواب کے اس مزاحیہ کھیل کو مزید دلچسپ بنانے کے لئے۔

امبر نے چائے کا آخری گھونٹ بھرا، ذرا سی آگے کو جھکی خالی کپ میز پر رکھا اور ایک گہرا سانس لیا۔

"ایک بار پوچھا تھا"۔ سفید کپڑوں والی لڑکی نے گلابی کپڑوں والی لڑکی کی پیٹھ کو دیکھتے ہوئے کہا

۔

سیاہ بالوں والی لڑکی کو اس کی آواز بنا کسی کمیونیکیشن پرابلم کے سنائی دے رہی تھی۔

"تم اسرار کرتی وہ ضرور بتا دیتی"۔ تجویز دی گئی، کیاری میں موجود کئی رنگ و نسل سے تعلق رکھنے والے پودے لہلہائے۔ جیسے اسکی تجویز پسند آئی ہو۔

"اس کا اور میرا رشتہ اسرار والا ہے ہی نہیں تو کیسے کرتیں"۔دلیل دی گئی یا پھر تجویز رد کی گئی کچھ بھی کہنا مشکل ہے۔

امبر آنکھیں یونہی ایک نقطے پر مرکوز تھیں۔

"تم کہنا چاہتی ہو دوستی میں اسرار نہیں کیا جاتا"۔

وہ کیاری سے فالتو جڑی بوٹیوں کو باہر رکھ رہی تھی۔جو گوڈی کر کے نکالی تھیں۔یہ جڑی بوٹیاں ہمیشہ ہی زیادہ تعداد میں نکل آتی تھیں۔خاص طور پر بارش کے بعد اور وہ ہمیشہ اپنے پودوں سے ان جان لیوا بوٹیوں کو اکھاڑ پھینکتی تھی۔

"ہوتا ہے اسرار دوستی میں ہی تو ہوتا ہے۔مگر کچھ باتیں دوستوں کو بن کہے بتا دینی چاہئیں۔کچھ باتوں کے لیے اسرار نہیں کروانا چاہیے۔"

انگلیوں کو ایک دوسری میں پھنسائے ہوئے وہ یونہی بیٹھی تھی، نظریں اب بھی گلابی کپڑوں والی لڑکی کی پیٹھ کی جانب تھیں۔

اگر تم ذرا سا غور کرو تو گلابی کپڑوں والی لڑکی کی ہیزل آنکھیں چمکی تھیں، گول اور چھوٹے

چھوٹے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔مطلب بحث مزید دلچسپ ہونے والی تھی۔

"اور تمہیں کیوں لگتا ہے کہ دوستوں کو بغیر پوچھے ہی بتا دینا چاہئے"۔ہاتھوں سے گلاب کے پودے کو چھوا، شائد پیار سے چھوا تھا۔کیونکہ پودہ کھرپی لگنے سے ذرا سا زخمی ہوا تھا۔

دوستی کیوں کی جاتی ہے؟امبر نے آنکھوں کا زاویہ بدلتے ہوئے کہا۔

کنزہ مسلسل گھاس نکالتی رہی۔اس کی جانب سے کوئی جواب نا آیا

مطلب صاف تھا، بہن میں تو دوستیاں کرتی ہی نہیں تو تم ہی بتا سکتی ہو۔

امبر آنکھیں پھر ایک نقطے پر ٹک گئیں، اللہ جانے یہ لڑکی اس عمر میں تجزیہ نگاروں کی طرح کیوں سوچنے لگ جاتی ہے۔

ہم دوستیاں کرتے ہیں کیونکہ ہم سب کو ایک ایسے انسان کی ضرورت ہوتی ہے جو ہمیں سن سکے۔سانس لینے کا وقفہ یا پھر اس کی عادت تھی قدرے ٹھہر کے بولنے کی۔۔۔۔۔

کنزہ تقریبا کیاری کو صاف کر چکی تھی۔وہ تیز تیز ہاتھ چلاتے ہوئے کسی ماہر باغبان کی طرح پودے کو ایک ہاتھ سے پکڑتی دوسرے ہاتھ میں مضبوطی سے تھامی کھرپی سے پودے کے ارد

www.novelsclubb.com

گرد سے اُگی ہوئی نادیدہ جڑی بوٹیوں کو کھودتی اور باہر پھینک دیتی۔ مگر اس سارے عمل میں وہ امبر کی باتوں کو پوری توجہ سے سن رہی تھی۔

"انسان کو کبھی بھی اپنے دوست سے یہ نہیں چاہتا کہ وہ اسے سمجھے، دلاسے دے، جب وہ ٹوٹ رہا ہو تو اسے آگے بڑھنے کے مشورے دے"۔

"اوں ہوں بلکل بھی"۔ گردن ناں میں ہلائی، انگلیاں اب بھی ویسے ہی ایک دوسری میں پھنسائی ہوئی تھیں۔

کنزہ کے گوڈی کرتے ہاتھ رکے۔ کان آگے سننے کو بیتاب ہوئے، ہیزل آنکھوں نے غور سے امبر آنکھوں کی طرف دیکھا۔

امبر آنکھیں ہمیشہ کی طرح کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں۔

"تو دوستوں سے اور کیا چاہیئے، کیا مصیبت میں کام آنے کو دوستی نہیں کہتے امبر"؟

کنزہ متجسس ہوئی، ہوا کا ہلکہ سا جھونکا آیا اور گزر گیا مگر کنزہ کی سیاہ زلفیں چہرے پر لڑھک گیئں۔

www.novelsclubb.com

آپی ضروری نہیں مصیبت میں دوست ہی کام آئے۔جو کہتے ہیں مصیبت میں دوست کام آتے ہیں وہ غلط کہتے ہیں۔آنکھوں کا رخ کنزہ کی طرف کیا۔

"میرے نزدیک ہر وہ شخص جو مصیبت میں کام آئے وہ محسن ہے۔اکثر دوست مصیبت میں کام نہیں آتے پھر جو اجنبی یا کوئی بھی رینڈم شخص جو ہمیں مدد فراہم کرے وہ ہمارا محسن بن جاتا ہے ۔اس طرح ہر دوست محسن نہیں ہوتا۔لیکن ہر محسن دوست جیسا ضرور ہوتا ہے۔یا شاید اس سے بھی زیادہ۔"

یہ ایک الگ بات ہے کہ کام آنے والا دوست ہو یا پھر کوئی بھی شخص ہو سکتا ہے۔اب جن کو ہم پرسنلی جانتے ہیں انھیں دوست کہ دیتے ہیں اور جن سے انجان ہوں وہ محسن کہلاتے ہیں۔اگر دیکھا جائے تو ہوتے دونوں ہی محسن ہیں۔دونوں کے بدلے ہمیں چکانے ہوتے ہیں۔"

۔وہ خاموش ہوئی،لمبا سا سانس بھرا،پاوں میز سے نیچے لٹکائے اور پھر کنزہ کی اور دیکھا۔

تو تمہارے نزدیک دوستی کیا ہوئی؟ہیزل آنکھوں والی لڑکی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میرے نزدیک دوستی ایک ایسے انسان کے ساتھ کو کہتے جو تمہیں سمجھتا نہ ہو،چاہے تمہاری

ایک بھی نہ سنتا ہو، مان لو تمہاری اس سے بلکل بھی نہ بنتی ہو۔"

امبر آنکھیں ہیزل آنکھوں کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ ہیزل آنکھوں والی لڑکی ہاتھ میں کھرپی لیے کرسی کی جانب بڑھ رہی تھی۔

مگر جب تم مصیبت میں ہو تو تمہیں جس ایک شخص کا سب سے پہلے خیال آئے، جس ایک شخص کو تمہارا دل پکارے، جس ایک شخص کی گارنٹی تمہارا دماغ دے کہ ہاں اس کو مجھے بتانا ہے ۔وہ مجھے کبھی بھی انکار نہیں کرے گا۔ جب تم بولنا چاہو اور تمہیں ضرورت ہو کسی ایسے شخص کی جو فقط تمہیں سن سکے، تمہارے مسلوں کو بھلیئں وہ فکس کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو مگر بس بغیر کسی ججمنٹ کے تمہیں سننے کی قوت رکھتا ہو۔ جو ہر دوسری بات پہ یہ نہ کہے تمہیں ایسے نہیں ایسے کرنا چاہئے تھا۔ یہ تو تم نے غلط کر دیا۔ اب کیا ہو گا۔ تمہیں اتنا بھی نہیں پتہ۔ یار تم پوچھ تو لیتے فلاں فلاں مشورے نہ دیتا ہو۔ ہر دوسری بات پہ جتاتا نہ ہو۔ صرف ایک لفظ کہنے کا ظرف رکھتا ہو

"کچھ نہیں ہوتا"

"it's okay. every thing will be fine".

ہیزل آنکھوں والی لڑکی ساری دنیا سے بے نیاز امبر آنکھوں والی لڑکی کو سن رہی تھی۔اس نے کب کرسی کھینچی، کب بیٹھی یہ تو شاید اسے خود بھی معلوم نہیں تھا کیونکہ اس کا دوپٹہ اب بھی گلے میں تھا جو آدھے سے زیادہ کرسی سے نیچے لٹک رہا تھا۔کھرپی اس کے ہاتھ میں تھی۔شاید وہ رکھنا بھول گئی تھی یا پھر امبر کی باتوں نے یاد ہی نہ رہنے دیا۔

"جو فقط ایک تسلی دینی کی ہمت رکھتا ہو۔کچھ نہیں ہوتا۔خیر ہے۔کبھی کبھی سب کے ساتھ ہو جاتا ہے۔یہ سب دوستوں کو کہنا آتا ہو۔کیونکہ یہ سب کہنا کبھی کبھی کسی کو سب دینے کے برابر ہوتا ہے۔"

www.novelsclubb.com

ہاتھ سے دوپٹہ ٹھیک کیا۔صد شکر کہ انگلیوں کی جان چھوڑی، ورنہ تو کمبخت مروڑ کے ہی دم لیتی۔

"ایک تسلی کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"امبر خاموش ہوئی۔ایک لمبا اور گہرا سانس لیا۔

ذرا دیر تک اس کی آواز کا طلسم ماحول کی فضا پر قائم رہا۔چند لمحوں تک ماحول سحر زدہ سا رہا، کئی

پرندے جو کافی دیر سے بیٹھے تھے اڑنے لگے، لگتا تھا وہ بھی مصروف تھے تجزیہ نگار کے تجزیوں کو سننے میں، پر ایسے پھڑ پھڑائے جیسے امبر کا خاموش ہونا انھیں بلکل بھی پسند نہ آیا ہو۔

کنزہ یک ٹک سی اسے دیکھ رہی تھی۔ شاید وہ کچھ اور بھی سننا چاہتی تھی۔ کوئی ایسی بات جو ادھوری رہ گئی یا پھر خلاصہ جاننا چاہتی تھی۔

ضروری ہے بتانا۔ امبر آنکھوں والی کلاسک امبر گیلانی نے ہیزل آنکھوں والی لڑکی سے پوچھا۔

لازمی ہے۔ میں سننا چاہوں گی۔ ہیزل آنکھوں والی لڑکی نے کھرپی کو نیچے رکھتے ہوئے ترنت جواب دیا۔

امبر آنکھیں مسکرائیں اس سارے دورانیے میں وہ اب مسکرائی تھی۔ خدا جانے کون سا بل ادا کرنا پڑتا ہے جو سوچ سوچ کے مسکراتی ہے۔

تو سنو امبر قدرے آگے کو جھکی۔

کنزہ ذرا متجسس ہوئی۔

محسن اپنے احسان کا بدلہ مانگ سکتا ہے۔ وہ نہ بھی مانگے تو ہمیں کبھی نہ کبھی اس کے احسانات کا

بدلہ اتارنا ہی ہوتا ہے۔ یا پھر اللہ ہم پر وہ وقت لاتا ہے جب ہمارا امتحان ہوتا ہے۔ جب ہم محسن کہ جگہ پر ہوتے ہیں اور احسان کرنے والا ہماری جگہ پر ہوتا ہے۔

سانس کا وقفہ یا پھر ذرا ٹھہرنے کی عادت تھی۔

ایسے میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک یا تو اپنے محسن کا احسان اتارو اور پھر سے برابر ہو جاو یا پھر طاقت رکھنے کے باوجود مدد نہ کر کے احسان فراموش کہلاو۔

"یہ تم پہ انحصار کرتا ہی کہ تم کس چیز کو فوقیت دیتے ہو"۔ نگاہیں کپ پر مرکوز تھی۔ سورج ڈھل چکا تھا۔ کچھ کچھ ہلکی نارنجی شعاعیں باقی تھیں۔ جو کپ کے ہلکے جامنی رنگ پر بکھر رہی تھیں۔

www.novelsclubb.com

اور دوستی کا نظریہ تمہارے نزدیک کیا ہے امبر؟ کنزہ نے ہیزل آنکھوں کی چھوٹی کرتے ہوئے پوچھا۔ دوپٹہ ابھی بھی آدھے سے زیادہ زمین پر لٹک رہا تھا۔ آوارہ لٹیں چہرے کو یونہی چھو رہی تھیں۔

دوستی میں کچھ بھی احسان جیسا نہیں ہوتا کنزہ۔ دوستی ایک الگ چیز ہے۔ ہم جو دوستی کی بنیاد پر

اگر تو مدد کرتے ہیں تو وہ کسی بھی طرح احسان نہیں کہلائے گا۔

کیوں، کیوں نہیں کہلائے گا۔ کنزہ نے دوبدو سوال داغا۔

کیونکہ ایک دوست کا فرض ہے کہ وہ اپنے دوست کا خیال رکھے اور دوسرے دوست کا حق ہے کہ مشکل میں اس کے عزیز دوست اس کا ساتھ دیتے ہوں۔ یاد رکھنا ساتھ کھڑے ہونے میں اور ساتھ دینے بہت فرق ہے دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ بہت حد تک ممکن ہے کہ ہمارے دوست ہمارے ساتھ نہ کھڑے ہوں لیکن کبھی کبھی کسی کا ساتھ دینا بھی بہت ہوتا۔ ساتھ تو کہیں سے بھی نبھایا جا سکتا ہے۔ قطعہ اراضی کے کسی بھی حصے سے ممکن ہے۔ اگر کوئی دینا چاہے

۔

www.novelsclubb.com

سانس لینے کا وقفہ یا پھر تجزیہ نگاروں کی طرح ٹھہرنا اس کی عادت بن چکا تھا۔ سورج کی چند کرنیں بھی چھپ گئی۔ اندھیرا چھانے لگا۔

دوستی میں ایک کا حق دوسرے کا فرض ہے۔ حق اور فرض دل سے نبھائیں جاتے ہیں۔ ان میں واپسی کا مطالبہ نہیں ہوتا نہ کیا جاتا ہے کنزہ۔

"اگر تم واپس کر دو وہی جو تمہیں ملا تو اگلے کا دل خوش ہوتا ہے۔ کبھی کبھی کسی کا ہونا ہی بہت ہوتا ہے۔ مگر نہ بھی کرو تو شکووں کا حق نہیں ہوتا۔ وہ اپنی بات کہ کے خاموش ہوئی۔"

کنزہ کی طرف دیکھا۔

ایک چڑیا اب اڑی تھی۔ وہ چہک رہی تھی۔ کیونکہ وہ خوش تھی۔ شاید وہ باقی پرندوں کی طرح جلد مایوس نہیں ہوئی تھی۔ اسے یقین تھا امبر کے بولنے کا اور اس کا یقین کامل آیا۔ جلدی امید چھوڑ دینے والے ان پرندوں کی مانند ہوتے ہیں جو ساری بات سن کے بھی بات نہیں سمجھ سکے ۔کیونکہ وہ بے صبرے تھے جلد اڑ گئے۔ جو ذرا صبر کر جائیں وہ اس ننھی چڑیا کی طرح اصل کو سمجھ لیتے ہیں۔

www.novelsclubb.com

میں agree ہوں۔ فسوں ٹوٹا تو کنزہ بولی۔

"مگر ایسے لوگ exist کرتے ہیں۔"

ی "ہاں سب exist کرتا ہے۔ بس کس کو کیا ملتا ہے یہ قسمت کی بات ہے۔ دوست کا ملنا یا نہ ملنا انسان کے بخت کی بات ہے۔ بخت اچھا ہو تو کچھ بھی مل جاتا ہے اور اگر برا ہو تو سب کچھ

چھوٹ جاتا ہے۔"

امبر نے مسکرا کے پلکیں جھپکیں۔بہت دیر ہو گئی کنزہ۔ چلو ماں کو دیکھیں چل کے، مجھے تو بھوک بھی لگی ہے۔

امبر نے کپ کو اٹھاتے ہوئے کہا۔کپ پر لگی چائے سوکھ چکی تھی۔کپ کا سفید رنگ ذرا سا زرد دکھتا تھا۔

کنزہ نے لٹوں کو پیچھے اڑستے ہوئے کب سے زمین پر پڑے پلو کو جھاڑا اور امبر کے پیچھے پیچھے چل دی۔

"ایک اور شام ڈھل گئی ایک اور رات گزرنے کو بیتاب ہو گئی۔عمر کا ایک اور حصہ بیت گیا۔دل کی تکلیف میں دن کی اور کمی ہو گئی۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اللہ حافظ امی میں جا رہی ہوں۔دعا صفدر دھپ دھپ سیڑھیاں اترتے ہوئے بلند آواز میں بولی ۔کالج کی وردی پہنے، کندھے پہ کالا بیگ لٹکائے وہ بلکل تیار تھی۔

اللہ حافظ ابو! صفدر صاحب ناشتے کے میز پر تشریف فرما تھے۔اللہ حافظ بیٹا! صفدر صاحب نے دل سے مسکراتے ہوئے کہا۔جو بیدہ بیگم کچن میں صفدر صاحب کا ناشتہ تیار کر رہی تھیں۔

"ماشااللہ دیکھتے دیکھتے ہی کتنی بڑی ہو گئی ہے"۔صفدر صاحب جو بیدہ بیگم کو دیکھتے ہوئے بولے۔ جو ہاتھ میں ناشتے کی ٹرے پکڑے ہوئے صفدر صاحب کی اور بڑھ رہی تھیں۔

پورے انیس سال کی ہو گئی ہے۔میں تو کہتی ہوں بارہویں جماعت کے پیپر ہوتے ساتھ اس کی شادی کر دیں۔آملیٹ اور توس صفدر صاحب کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

ابھی سے کہاں جو بیدہ بیگم ابھی تو وہ بہت چھوٹی ہے۔ابھی تو اس کی یونیورسٹی کی تعلیم بھی رہتی ہے۔

www.novelsclubb.com

بس کریں صفدر صاحب۔گھر میں دو دو بیٹیاں ہیں ہمارا کون سا بیٹا ہے جو اگر دیر سویر ہو جائے تو ان کی شادی کے معاملات دیکھ لے۔اتنا ہی اچھا ہے جتنی جلد ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔بعض فرضوں کو وقت رہتے ہی ادا کر دینا چاہیے۔بعض دفعہ دیری بہت بری ہوتی ہے۔ میری شادی اٹھارا سال کی عمر میں ہوئی تھی۔مجھے تو روٹیاں بھی بنانی نہیں آتی تھیں۔سب

یہاں آ کے سیکھا تھا۔

جو بیدہ بیگم چائے میں بیٹھا ڈالتے ہوئے دل کی کڑواہٹ نکال رہی تھیں۔

یہ مائیں بھی کتنی عجیب ہوتی ہیں اگر بیٹا نہ ہو تو اس ساری زندگی اس بات کا سوگ مناتے گزر جاتی ہے کہ بیٹا نہیں ہے۔ پھر بیٹیوں کی شادی کو اس بات سے منسوب کرتی ہیں کہ بیٹا ہے نہیں اگر ہمیں کچھ ہو گیا تو ان کا کیا ہو گا۔ وقت سے پہلے بخت کے فیصلے کر دیتی ہیں۔ دوسری طرف جن ماؤں کے بیٹے ہیں وہ اپنی بیٹیوں کی جلدی شادی اس لیے کرنا چاہتی ہیں کہ انھیں اسی بیٹے پر یقین نہیں ہوتا کہ اگر انھیں کچھ ہو گیا تو ان کی بیٹیوں کے ساتھ کیسا سلوک کریں گے۔ وہ بھابیاں جو ان کے سامنے ان کی بیٹیوں کو ٹکنے نہیں دیتی خدا جانے ان کے بعد کیا کریں گیں۔

بس ہر ماں کو ایک ہی فکر ہوتی ہے بیٹی اپنے گھر کی ہو۔ پھر چاہے وہ گھر اس گھر سے بھی بڑی جہنم ہو۔ اس لیے کہتے ہیں انسان کو جو ملے وہ بھی کم ہے اور جو نہ ملے عمر بھر پھر اسی کا غم ہے۔

دیکھتے ہیں جو بیدہ بیگم، صفدر صاحب نے توس کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

اچھا امجد لوگ رکے نہیں، ذرا دیر کو تو ٹھہرتے تو میں بھی مل لیتا۔ جو بیدہ بیگم کے بھائیوں کے

متعلق پوچھا گیا۔

آپ لیٹ آئے تھے اور انھیں گھر پہنچنا تھا۔اصل میں امجد اور مجید اکیلے آئے تھے۔انکی بیوی بچے نہیں آئے۔شائد بچوں کے امتحان چل رہے ہیں۔

صحیح۔"مومنہ کہاں ہیں۔اس کو کل سے دیکھا نہیں۔مومنہ صفدر کی چھوٹی بیٹی ہے۔جو نویں جماعت میں گاؤں کے سکول میں زیر تعلیم ہے۔

وہ کل شام اکیڈمی سے ذرا تاخیر سے آئی تھی۔آج چھٹی ہے اسکی تو بس سو رہی ہے۔صفدر صاحب ناشتا کر چکے تھے۔جو بیدہ بیگم نے برتن سمیٹتے ہوئے بتایا۔

کالج میں آوتو مورنی کی آنکھوں والی لڑکی پہنچ چکی تھی۔اب وہ کالج کے گیٹ سے ذرا سے فاصلے پر کھڑی چکر کاٹ کر رہی تھی۔

چوکیدار نے کئی مرتبہ اسے گھورا بھی، جیسے کہ رہا ہو بی بی رک جا کہ سو چکر پورے کر کہ ہی دم لے گئی۔

اس کی کلاس کی اکثر لڑکیاں اس کو سلام کرتیں اور گزر جاتیں۔اکثر لڑکیاں اس کو شک کی

نگاہوں سے دیکھتیں اور اگر دو چار ہوتیں تو ان کا گوسپ کا موضوع دعا ہوتی۔

دعا ہاتھ میں بندھی سیاہ رنگ کی گھڑی کو دیکھ رہی تھی۔جب پیچھے سے کسی نے اس کی آنکھوں پہ ہاتھ رکھا۔

"دفع ہو جاو تم، پچھلے آدھے گھنٹے سے یہاں کھڑی ہوں"۔دعا نے امبر کے ہاتھ جھڑکتے ہوئے کہا۔

دروازے کے قریب کھڑے چوکیدار نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔جیسے کہ رہا ہو استغفراللہ کتنی جھوٹی ہے۔اتنے چکر کاٹے ہیں مجھے چکر آنے لگ گئے۔جھوٹی کہیں کی۔ہنہنہ ، بڑبڑاتے ہوئے چوکیدار نے نخوت سے منہ موڑ لیا۔

بہن روز میں کرتی ہوں۔کون سی قیامت آگئی اگر آج تم نے کر لیا۔امبر نے امبر آنکھوں کو چھوٹا کیا،ایک ہاتھ سے بیگ کا پٹا تھاما ہوا تھا دوسرے ہاتھ کو قمر پر رکھتے ہوئے رکھائی سے بولی۔

یار لڑکیاں مجھے ایسے گھور گھور کے دیکھ رہی تھیں، جیسے میں یہاں لڑکوں کو تاڑنے ٹھہری ہوں ۔مورنی آنکھوں والی لڑکی کے منہ پہ دنیا جہاں کی معصومیت در آئی۔امبر کو اس کے ایسے منہ پہ

ہمیشہ ہنسی آتی تھی۔ خیر اب وہ اتنی سیریس کنڈیشن میں ہنستی ہوئی اچھی لگے گی۔

اللہ گواہ ہے انتہائی کم ہنسنے والی امبر کو اگر کوئی بے حد ہنسا سکتا تھا تو وہ واحد مورنی آنکھیں تھیں۔

اچھا، بہت حیرانگی سے پوچھا گیا۔ اداکاری میں امبر کا کوئی ثانی نہیں۔

ہاں تو اور کیا، تم سب کو چھوڑو، وہ چلتے ہوئے بات کر رہیں تھیں، ان کا رخ کالج کے کوریڈور کی جانب تھا۔

وہ چوکیدار، مونچھڑ، موٹا بھینسا، مسٹنڈا اللہ جانے ابھی اور کتنے کلمات پڑھتی اس بیچارے کی شان میں جب امبر نے اس کی منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

بس کرو لگ گیا مجھے پتہ چاچا منیر کو کوس رہی ہو۔ صبح صبح ان سے کون سی غلطی سرزد ہو گئی۔

امبر اب پیچھے تھی جبکہ دعا دو قدم اس کے آگے تھی۔

امبر کو پیچھے چلنا پڑا۔ ظاہر ہے اس کا منہ ہنسی دبانے سے سرخ ہو رہا تھا۔

اگر دعا غلطی سے بھی اس کی طرف دیکھ لے تو تین دن کم از کم تین دن تو وہ اس سے بات نہیں کرے گی۔

مجھے گھور رہا تھا، چلو جی وہ بچارا پچپن سال کا بوڑھا آدمی اسے گھورے گا۔امبر بس سوچ ہی سکی، کہ دیتی تو ساری سیچوایشن خراب ہو جاتی۔ویسے بھی اس کا ماننا تھا سنجیدہ حالت میں گدھے ہنستے ہیں۔انسان کو یہ زیب نہیں دیتا۔

اب وہ کوریڈور میں کھڑی تھی۔بلکہ یوں کہو کہ مورنی صاحبہ تو کرسی پر ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی تھی۔چونکہ کرسی ایک تھی سو امبر پلر کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

کل، طلحہ لوگ آئے تھے۔کرسی پہ بیٹھی لڑکی نے امبر کی پشت کو دیکھتے ہوئے کہا۔امبر کا رخ کالج کے گراؤنڈ کی جانب تھا۔شائد وہ دور گراونڈ میں کھڑی دو لڑکیوں کو دیکھ رہی تھی۔وہ دونوں کالج کی وردی میں ملبوس تھیں۔ایک نے حجاب کر رکھا تھا اور دوسری نے دوپٹہ مفلر کی مانند گلے میں لپیٹ رکھا تھا۔حجاب والی لڑکی شائد کچھ کہہ رہی تھی، مفلر والی لڑکی کھلکھلا کے ہنس رہی تھی۔ان کو یہیں چھوڑ کر راہداری کے دائیں طرف والی دیوار سے ذرا سا جھانکو تو بوائز کیمپس نظر آتا ہے۔

دیوار کے دائیں طرف۔۔۔۔۔۔۔

یہ بوائز کیمپس ہے جس کی قرمزی رنگ کی عمارت پوری شان سے کھڑی ہے جسے قرمزی اور سفید رنگ کی دیواریں گھیرے ہوئے ہیں۔عمارت کے سامنے گراونڈ ہے۔

اگر تم نظر دوڑاو تو دیکھو کہ کیمپس لڑکوں سے بھرا ہوا ہے۔کئی لڑکے بیگ لٹکائے اندر جا رہے ہیں،اکثر کسی کے منتظر نظر آتے ہیں چند ایک باتوں میں مگن ہیں۔

اسلام علیکم !آواز کسی لڑکے کی تھی۔دروازے سے قدرے دور کھڑے لڑکے نیم رخ پر مڑے اور آنے والے کو مسکراتے ہوئے دیکھنے لگے۔برو،آگیا تو،سلام کا جواب،چند شکوہ کناں باتیں اور اکثر کی ہنسنے کی آوازیں تھیں۔

آنے والے نے دھاری دار شرٹ،گرے پینٹ جو کہ کالج کا یونیفارم تھا اس کے نیچے سیاہ جوگرز پہنے ہوئے تھے۔اب وہ ایک ایک کر کے وہاں کھڑے لڑکوں سے بغل گیر ہو رہا تھا۔

بھائی آج لیٹ کیسے ان میں درخت کہ قریب کھڑا ایک لڑکا بولا۔آنے والے نے نیم رخ پر مڑ کر اپنے پیچھے دیکھا۔سورج کی روشنی اس کے منہ پر پڑ رہی تھی۔سیاہ آنکھیں قدرے چھوٹی ہوئیں۔ہاتھوں کا چھجہ بنا کر پوچھنے والے کی طرف دیکھنے لگا۔

کچھ خاص نہیں یار بس صبح آنکھ لیٹ کھلی تھی۔تعداد کم کر لو آنکھیں جلدی کھلنے میں آسانی ہو گئی۔سامنے کھڑے لڑکے نے اپنی طرف سے رائے دی۔

کم کا تو نہیں پتہ البتہ دن بہ دن بڑھ ضرور رہی ہے۔سیاہ آنکھوں والے لڑکے نے مشورہ دینے والے کو آنکھ ماری۔

پھر جلد ہی وہ دور آنے والا ہے جب ہم تم سے بات کرنے کو ترسا کریں گے۔سیاہ آنکھوں والا لڑکا مڑا کیونکہ اس دفعہ شکوہ سامنے کھڑے لڑکے نے کیا تھا۔اب دھوپ اس کی پیٹھ پر پڑ رہی تھی۔

اب ایسا بھی کچھ نہیں بھروسہ رکھو تم لوگ۔کالر جھاڑتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

حالات بھروسے کی اجازت نہیں دے رہے ایک اور لڑکے نے لقمہ دیا۔وہ سب ہنسنے لگے۔

ہنسی کی آواز دور دور تک جاتی تھی۔

کیسے ہو حمزہ سلطان؟ان کے قریب سے گزرتے ہوئے ہوئے تقریبا پینتیس سالہ مرد نے پوچھا

۔

سیاہ آنکھوں والا لڑکا موڑا۔ مطلب آپ جناب کا نام حمزہ سلطان ہے۔ لوگ ہار دیتے ہیں دل دیکھتے ہی اس پہ تو فقط دل چرانے کا بہتان ہے۔

میں ٹھیک سر۔ آپ سنائیں کیسے ہیں۔ سیاہ آنکھوں میں چمک تھی۔ آواز پر اعتماد تھی۔ قد دراز تھا اور چہرہ نرم مسکراہٹ والا وجیہہ اور پر کشش تھا۔ دیکھنے والے کو پہلی ہی نظر میں محبت میں مبتلا نہ سہی مگر مسحور تو لازماً کر دے۔

باقی لڑکے سرک کر قدرے پیچھے ہو گئے۔ اب سیاہ آنکھوں والا لڑکا اور ندارد آمنے سامنے کھڑے تھے۔ حمزہ کی گردن احتراماً جھکی ہوئی تھی۔ ندارد سیاہ آنکھوں والے لڑکے سے کچھ کہہ رہا تھا۔ اب سیا آنکھوں والا لڑکا ہاں میں گردن ہلا رہا تھا۔

نوٹس بک شاپ پر رکھوا دیئے ہیں۔ تم شاپ والے کو سٹوڈنٹس کی تعداد بتا دینا وہ کاپی کر دے گا ۔ سامنے کھڑے مرد نے حکم دیا۔ آواز میں روب سا تھا۔ قرمزی در و دیوار ساکت کھڑی یہ منظر دیکھتی رہیں۔

جی سر۔ سیاہ آنکھوں والے لڑکے نے سر کو ہلاتے ہوئے حکم بجالانے کی حامی بھری۔ پیچھے

کھڑے لڑکے بیزار سے ان کے درمیان ہونے والی گفتگو کو سننے کی کوشش کر رہے تھے۔

بھنویں بھنچی ہوئی تھیں شائد آواز نہ آتی تھی۔

ٹھیک ہے کلاس میں ملتے ہیں۔ سر کہہ کر عمارت کے صدر دروازے کی طرف چلا گیا۔

پیچھے کھڑے لڑکے لمبے لمبے ڈگ بھرتے حمزہ سلطان کی طرف آئے۔ کوئی ٹیسٹ تو نہیں نہ بتایا رضا سر نے۔ وہ فکر مندی سے پوچھنے لگے۔

نہیں یار کوئی ٹیسٹ ویسٹ نہیں، ریاضی کے نوٹس سر نے بک شاپ پر رکھاوائے ہیں۔ وہ کاپی کروا کے ساری کلاس میں تقسیم کرنے ہیں۔ لڑکوں نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

عمر خورشید پیسوں والے کام پر ذرا تم روشنی ڈالو گے۔ ہادی مختار عمر سے پیسے لے کر شاپ والے کو تم دو گے۔ یہ سی آر اور ان کے حکم۔

باقی تعداد کا مجھے پتہ ہے وہ میں بتا دوں گا۔

سب گردن ہاں میں ایسے ہلاتے تھے جیسے یہ نام کا نہیں بلکہ سچ میں کہیں کا سلطان ہو۔

طلال نہیں آیا ابھی تک۔ حمزہ سلطان نے سامنے کھڑے چمچوں سے پوچھا۔ آج چھٹی پر ہے۔

ایک چمچہ ترنت بولا۔ جیسے پہلے ہی پتہ ہو سامنے والا پکا یہی پوچھے گا۔

ہوں۔ حمزہ نے ہاں میں گردن ہلائی۔ دھوپ بڑھنے لگی۔ حمزہ سلطان کو پسینہ آنے لگا جو دھوپ جیسی چھاوں میں کھڑا تھا۔ اوپر جھکے ہوئے کیکر کے درخت کے پتے ہوا کے ہلکے سے جھونکے سے ہلنے لگے۔ سیاہ آنکھوں والے لڑکے کے گہرے سیاہ بال جو آگے سے سنوار کے اوپر کی طرف اٹھائے ہوئے تھے ماتھے پر پھسل گئے۔

گرمی بڑھ رہی ہے کسی کمرے میں چلیں۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ کلاس آج لیٹ ہے کوئی کمرہ خالی نہیں ملے گا۔ سیاہ آنکھوں والے لڑکے نے ہاتھ سے ماتھے پر بکھرے بالوں کو ہٹاتے ہوئے اطلاع دی۔

www.novelsclubb.com

اب کیا کریں۔ ایسے کب تک کھڑے رہیں گے۔ لڑکے پریشان سے بولے۔

سب اپنے ایلفا کی طرف دیکھنے لگے۔ ظاہر ہے ایلفا ہے تو حل بھی یہی بتائے گا۔

.fret not guy's

ایلفا آنکھوں میں چمک اور چہرے پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے بولا۔ البتہ اسکی مسکراہٹ نارمل

نہیں تھی۔بلکہ شیطانی مسکراہٹ تھی۔لڑکے قدرے قریب ہوئے۔خون ہواور بھیڑیوں کو مہک نہ آئے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اب وہ سارے لڑکے سر کے ساتھ سر جوڑے گول دائرہ بنائے ہوئے کھڑے تھے۔ایلفا بول رہا تھااور وہ سب سمجھ سمجھ کر گردن ہلا رہے تھے۔چند ایک اپنی رائے بھی پیش کر رہے تھے۔ان کو پلان تیار ہونے تک یہیں چھوڑتے ہیں۔

دیوار**کے****بائیں****طرف**

"تم نے بتادیا کہ وہ جو چاہتا ہے وہ ممکن نہیں"۔امبر اب بھی انھیں لڑکیوں کو دیکھ رہی تھی۔حجاب والی لڑکی اپنا پنک کلر کا بستہ مفلر والی لڑکی کو پکڑا رہی تھی۔

دعا خاموش رہی۔تم اگر امبر کے کندھے سے ذرا پیچھے دیکھے تو سمجھ پاؤ کرسی پر براجمان لڑکی کیوں چپ ہے۔لڑکیوں کا ایک ٹولہ مورنی سے ذرا فاصلے پر آ کھڑا ہوا۔شاید ان میں کوئی اس کی ہم جماعت بھی تھی۔ظاہر ہے وہ نہیں بولے گی،اگر ان لڑکیوں کو ذرا سی بھنک بھی لگ گئی کہ

دعا جی لڑکے کہ بارے میں بات کر رہی ہیں تو پھر آپ سب بھی سمجھ دار ہیں۔

دور گراونڈ میں کھڑی لڑکیاں اب دوسری طرف جا رہی تھیں۔امبر کی انھیں جاتا دیکھ رہی تھی۔

اتنے میں کالج کی بیل بجنے کی آواز آئی۔یہ وارننگ بیل تھی جو لیکچر ہونے سے پانچ منٹ پہلے بجائی جاتی تھی۔تاکہ وہ طلبہ جو گھڑیاں ہاتھ میں فقط شومارنے کے لئے پہنتے ہیں اسکی آواز سن کے وقت کا احساس کر لیں۔

آواز سے امبر چونکی،کانوں کو ہاتھ لگایا،دو چار سلواتیں کالج والوں کے نام کیں اور مڑتے ہوئے دعا کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

تم نے جواب نہیں دیا۔امبر آنکھیں چھوٹی ہوئیں،ابرو قریب ہوئے اتنے کے کہ ماتھ شکن زدہ ہو گیا۔

فائزہ اپنے پورے ٹولے کے ساتھ یہاں کھڑی تھی۔اویئں سن لیتی تو ساری کلاس میں نمک مرچ لگا لگا کے بتاتی۔مورنی آنکھوں نے امبر آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

امبر نے سمجھتے ہوئے، سر کو ہاں میں ہلایا۔

"ویسے میں نے اسے سب بتادیا۔ بلکہ یوں کہو پوری طرح سمجھا بھی دیا۔ اور تو اور پتہ نہیں تمہاری روح کہاں سے مجھ میں گھسی ایسے رکھ رکھ کے ڈائیلا گز مارے تھے بس پوچھو مت۔"

مورنی آنکھیں قدرے چھوٹی کرتی اور پھر بھرپور مسکراتے ہوئے جوش کے ساتھ کرسی سے اٹھ گئی۔ صد شکر کرسی کا بھی سانس میں سانس آیا۔ لڑکیاں راہداری سے گزرتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھیں۔ کچھ کا خیال تھا دعا کی لوٹری نکل آئی ہے۔

امبر آنکھوں میں چمک لئے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں نہیں پوچھوں گی کیونکہ ہر بات سے میں پہلی ہی آگاہ ہوں۔"

امبر نے ذرا سا نیچے جھکتے ہوئے کیونکہ مورنی کا قد قدرے چھوٹا تھا مورنی آنکھوں میں اپنی امبر آنکھوں کو گاڑتے ہوئے رکھائی سے کہا۔

مورنی آنکھوں کی چمک یک دم پھیکی پڑ گئی۔ چہرے پر کئی رنگ آکر گزر گئے۔ دل اتنا زور سے ڈھڑکا کہ اسے دھک دھک کی آواز سنائی دینے لگی۔

وہ کیسے بھول گئی۔

"اس کا مشاہدہ گہرا سوچ وسیع ہے، وہ آنکھوں کے جھوٹ دلوں کے راز جان لیتی ہے، اس کی نظریں باریک بین ہیں۔"

مورنی کی آنکھوں والی لڑکی نے سانس روکے دل ہی دل میں کہا۔

امبر اپنی بات کہ کے پیچھے ہٹی، مورنی آنکھیں جو کسی خوف کے باعث پھیلیں تھی ریلیکس ہوئیں، تالو سے چپکی زبان کچھ کہنے کے لئے اُپڑی، مگر الفاظ بنتے ہی نہ تھے۔ لفظوں کی ترتیب جس کو درست کرنے لئے لیے وہ کئی ترکیبیں بنتی اس کے سامنے سب گڈمڈ ہو جاتی تھی۔

اس کو یاد نہیں تھا کہ پچھلے چند لمحوں سے وہ سانس نہیں لے رہی۔ وہ بھول گئی تھی کہ چند سیکنڈ سے اس کی سانس سا

کن ہے۔

چند لمحوں کا کھیل تھا۔ امبر نے نظریں پھیر لیں۔ جولائی کے سورج کی تپش قدرے تیز ہوئی۔

"ہاں کیونکہ تمہیں تو میں سب پہلے ہی بتا دیتی ہوں۔ تم سے کچھ چھپا تھوڑی ہے"۔

دعا نے ایک لمبی سانس بھرتے ہوئے کہا۔اب وہ پہلے سے ریلیکس تھی۔

راہداری میں چند ایک سٹوڈنٹس چلتے پھرتے نظر آرہے تھے۔کیونکہ بچوں کی کلاسز کا آغاز ہو چکا تھا۔دعا اور امبر چونکہ بارہویں جماعت کی طالبات تھیں اور پیپرز کی ڈیٹ شیٹ مل چکی تھی اب بس ان کا پری بورڈ ہونا تھا۔خیر آج وہ MDCAT کی کلاسز لینے آئیں تھیں جن کا آغاز دس بج کر تیس منٹ پر ہونا تھا اور ابھی تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا۔

اگر تم کبھی چھپانا بھی چاہو تو یاد رکھنا دعا صفدر۔میں معلوم پڑنے پر بھی نہیں پوچھوں گی۔

امبر بیگ سے پانی کی بوتل نکال رہی تھی۔شاید اسے پیاس لگی تھی۔

تمہیں کیوں لگتا ہے کہ میں کبھی تم سے کچھ بھی چھپاوں گی۔***

مورنی آنکھیں جو ہمیشہ چھوٹی ہوتی تھیں اس وقت قدرے بڑی لگ رہی تھیں یا پھر کسی خوف کے باعث پھیلی ہوئی تھیں۔

امبر پانی کی بوتل کو منہ سے لگائے غٹا غٹ پانی پی رہی تھی۔آدھی بوتل سے زیادہ اس نے حلق میں انڈیل لی۔ہلکی گلابی بوتل کا ڈھکن لگایا کندھے پر لٹکے بیگ کو ذرا آگے کیا اور بوتل زپ کھول

کے اندر رکھ دی۔

کیا تمہیں لگتا ہے تم مجھ سے کچھ بھی چھپا سکتی ہو۔

سوال تھا یا پھر بتایا گیا تھا۔بلکہ یوں کہو کہ سیدھا سیدھا باور کرایا گیا۔اف اللہ مورنی بچاری کہاں اس کے ساتھ پھنس گئی کیا بھرے کالج میں اسے یہ ہی ایک واحد لڑکی ملنی تھی۔

دعا جو اپنے بیگ میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ذرا سا سر اوپر کر کے کی امبر آنکھوں کو دیکھا۔

دعا کو اب پورا یقین تھا کہ امبر سب جانتی ہے،وہ جانتی تو وہ سب بھی ہے جس کا اطراف دعا خود سے بھی کرنے سے نالہ ہے۔**

دعا کو اس کی مطلوبہ شے مل چکی تھی۔وہ بیگ سے چھجے والی نیلے رنگ کی ٹوپی نکال کر سر پر رکھ رہی تھی۔

امبر۔دعا نے اسے ایسے پکارا جیسے درد میں کوئی بلائے اپنے مسیحا کو۔

امبر نے اس کی طرف نرم مسکراہٹ سے دیکھا۔کمبخت نرم ہی صحیح مگر مسکرائی تو صحیح۔

بولو۔نرم سی مسکراہٹ برقرار رکھتے ہوئے کہا۔مورنی آنکھیں امبر آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں

۔مورنی آنکھوں میں درد تھا۔امبر آنکھوں میں فکر صاف ظاہر تھی۔

اگر کوئی ایسی بات ہو جس کو امبر درد سے لہجے میں بولی

جس کو تم خود کو سے بھی چھپانا چاہو۔امبر نے اسکی بات درمیان سے ہی اچک لی۔

وہ دل کی ادھ کہیں باتیں سمجھ جاتی تھی۔وہ باتیں جو زبان پر آنے سے زبان لڑکھڑا جائے وہ بنا کسی دقت کے بول دیتی تھی۔یہی اس کی عادت تھی جو اسے مورنی کی نظروں میں سب سے منفرد بناتی تھی۔

مورنی آنکھیں جن میں کچھ دیر پہلے ایک انجانا سا درد تھا اب ان میں ایک جانی پہچانی سی خوشی تھی۔ظاہر جب کوئی آپ کو بن کہے ہی سمجھ جائے تو خوشی تو ہو گی۔

تم کیسے جان لیتی ہو امبر۔مورنی امبر کے قدرے قریب ہوئی۔

"اگر میں تمہارے ساتھ رہ کر بھی انجان رہوں۔"

سانس لینے کا وقفہ یا پھر ٹھہرنے کی عادت تھی۔

"تو فائدہ کیا ہے ہماری دوستی کا"۔امبر نے اس کی چھجے والی ٹوپی کو ذرا سا اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔

گردن میں بل آجائے گا۔دعا نے ٹوپی کا چھجہ زیادہ نیچے کیا ہوا تھا۔یہ ٹوپی وہ دھوپ سے بچنے کے لیے ہمیشہ ساتھ رکھتی تھی۔اس نیلے رنگ کی ٹوپی کو اس نے انسٹا گرام سے منگوایا تھا۔ٹوپی کے سامنے والے رخ پر "بنا منزل مسافر ایسے ہے جیسے بنا جام ساغر" کھر درے الفاظ میں کنندہ تھا۔

جب وہ امبر کی جانب دیکھتی تو نظروں کے ساتھ گردن بھی اوپر کی طرف اٹھتی تھی۔

تم نے بتایا نہیں۔دعا اب امبر کے بلکل سامنے کھڑی تھی۔دعا امبر کے پیچھے دیکھتے ہوئے مسکرائی،شاید بھورے رنگ کے کپڑوں والی خاتون کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔امبر نے نیم رخ موڑ کے پیچھے دیکھا۔وہ مس عصمت تھیں۔امبر سوالیہ انداز میں بولی۔دعا نے گردن ہاں میں ہلائی۔

مورنی آنکھیں امبر آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔

دیوار کے بائیں طرف----------

حمزہ سلطان اپنے پورے قد کے ساتھ قرمزی عمارت کی دوسری منزل کی راہداری میں کھڑا تھا۔

اس کے عین سامنے دروازہ تھا۔دروازہ کے اوپر سفید پلیٹ پر کھردرے نیلے رنگ سے آفس آف ادنان علوی انگلش ڈیپارٹمنٹ ایچ اوڈی لکھا تھا۔

منصوبہ پر کام کرنے کا وقت آچکا تھا۔ظاہر ہے وہ اتنی گرمی میں بہار تپتی دھوپ میں تو نہیں کھڑے ہو سکتے۔

سلطان تمہیں یقین ہے نہ کہ سر نہیں آئیں گے۔پیچھے کھڑے لڑکے نے کسی خدشے کے پیش نظر پوچھا۔سلطان موڑا،سیاہ آنکھوں میں ذرا سا غصہ در آیا،ایک ابرو اوپر چڑھائی۔پیچھے والا لڑکا سمجھ گیا۔

کھڑکیاں دیکھو کھلیں ہیں۔سلطان قدرے روب سے بولا۔دو لڑکے کھڑکیاں چیک کرنے لگے۔چیک کرنے والوں نے گردن نہ میں ہلائی۔

سلطان نے سمجھنے والے انداز میں گردن ہلائی۔انگلی کے اشارے سے پیچھے کھڑے ایک چھوٹے قد کے لڑکے کو بلایا۔لڑکا شکل سے معصوم لگتا تھا۔بھائی اگر سر کو خبر ہو گئی تو جو ہو گا وہ بتانے لائق نہیں ہو گا۔مشیر نے سلطان کو ممکنہ خدشے سے آگاہ کیا۔

سلطان کا منہ دیکھ کے اندازہ ہوتا تھا کہ مشیر کا مشورہ بلکل پسند نہیں آیا۔

پہلے کبھی ہوئی ہے۔سلطان نے پچھلی کامیابیوں کی یاد دہانی کرائی۔فتح اس کی غلام تھی۔وہ صرف نام کا نہیں بخت کا بھی سلطان تھا۔کچھ لوگ اپنا اچھا بخت ساتھ کے کر پیدا ہوتے ہیں۔وہ بھی ان میں سے ایک تھا۔

مشیر نے سمجھتے ہوئے ہاں میں گردن ہلائی۔آفس کا گہرا بھورا دروازہ، برآمدے کی سفید پینٹ ہوئی دیواریں ہر بات کو سنتے ہوئے اپنی سماعتوں میں قید کر رہی تھیں۔

کام شروع کرو وقت کم ہے۔لیکچر ختم ہونے والے ہیں۔سلطان نے حکم دے دیا۔سلطان کے پیچھے کھڑے لڑکے نے پلکیں جھپکائیں۔چھوٹے قد والے لڑکے کے ہاتھ میں سر میں لگانے والی پن تھی۔

"اے! تمہیں یہ بالوں والی پن ملی کہاں سے۔"ساتھ والے لڑکے نے رازداری کی بات پوچھی۔

"میں اپنے بیگ میں رکھ کر گھومتا ہوں۔اصل میں ہم جدی پوشتی چور ہیں۔اس لیے ایسی چیزیں

ساتھ رکھتے ہیں۔ وقتاً فوقتاً کام آتی رہتی ہیں۔" چھوٹے قد کے لڑکے نے اپنے تئیں بڑے پتے کی بات بتائی۔

"ہیں؟ واقع؟ استغفار۔ تیری میری دوستی ختم میں کسی چور کا دوست نہیں ہو سکتا۔ ہم شریف لوگ ہیں۔"

ہاں اور ہم تو جیسے روز کسی کی بہن، بیٹی کو بھگاتے ہیں۔ بڑا آیا شریف۔ گدھے وہ جو آیا ہے نا اس سے نکلوائی ہے۔ چھوٹے قد والے لڑکے کو اس پر تپ چھڑی۔ اچھا تو ایسے کہ ناں۔ حسب نسب کیوں گنوا رہا ہے۔

آج سے پہلے سنا تھا لمبے آدمی کی عقل اس کے گھٹنوں میں ہوتی ہے مگر تم نے تو ثبوت کے ساتھ دکھا بھی دیا۔

اب وہ دروازے کی چابی والی جگہ میں ہاتھ میں پکڑی پن کو لگا رہا تھا۔

سلطان چکر کاٹ رہا تھا۔ ہاتھ پیچھے کو باندھ رکھے تھے۔ باقی لڑکے منتظر سے کھڑے تھے۔ کچھ کے چہرے پر خوف تھا۔ کچھ نروس تھے چند ایک پر جوش تھے اے سی کی ہوا میں بیٹھنے کی خوشی

اتنی گرمی میں ہر خوشی سے بڑی خوشی تھی۔

لڑکا پن دروازے کے لاک میں پھنسائے ادھر ادھر گھما رہا تھا۔ایک دو تین اور یہ آئی کلک کی آواز۔ گرمی سے تھکے، پسینے سے ذرا شرابور، گھبراہٹ سے پریشان چہرے انجانی سی خوشی سے چمک اٹھے۔ سلطان خوش ہو گیا۔ لڑکے نے سلطان کی طرف دیکھا۔ سلطان نے سب کو اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ آٹھ، سات لڑکے آفس میں داخل ہو گئے۔ آفس میں سناٹا تھا۔ روشنی کی کرن تک نہ تھی۔ ساری لائیٹس بند تھیں۔۔پردے کھڑکیوں کو ڈھکے ہوئے تھے۔ آفس میں واحد آوازیں ان کے دبے دبے قدموں کی تھیں۔ آفس کے ٹیبل سے لے کر سامنے کی دیوار پر ٹنگی چھوٹی سی پینٹنگ تک سب ڈر گئے۔ بے جان چیزوں نے ایک دوسرے کے کان میں سرگوشیاں شروع کر دیں۔ان کے لیے یہ تمام چہرے اجنبی تھے۔ سلطان اندر آیا۔اس کے آہستہ چلتے قدموں کی آواز آفس میں چھائے سکوت میں باآسانی سنی جا سکتی تھی۔

آفس میں موجود ہر شے نے ان قدموں کی آواز کو سنا اور پھر پہچان بھی لیا۔اس کی آفس کی ہر

دیوار، کرسی سے لے کر ٹیبل پر رکھا پین بوکس بھی ان قدموں کی چاپوں سے واقف تھا۔

سلطان نے دائیں دیوار پر ہاتھ مارا۔لائٹ آن ہو گئی۔ہر کسی کے چہرے پر خوشی عیاں تھی۔

دھوپ سے چھاؤں میں آنے کی خوشی، چھاوں سے اے سی کی ٹھنڈک پانے کی خوشی عیاں تھی۔

ٹیبل کے بائیں طرف جو ڈور ہے اس میں اے سی کا ریموٹ ہو گا۔سلطان نے ٹیبل کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے آگاہی دی۔پیچھے صوفے پہ ڈھے ہوئے لڑکوں میں سے ایک چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجائے ہوئے اٹھا تھا۔۔ذرا اہل کے ریموٹ نہیں پکڑ سکتا۔بیچارہ سوچ ہی سکا کہ دیتا تو اب تک دروازے کے بہار ہوتا۔ان کو یہیں چھوڑ کر مورنی اور امبر آنکھوں کے تبصرے سنتے ہیں۔

دیوارکے**دائیں****دائیں***طرف***

امبر آنکھیں بولنے کو تیار تھیں مورنی آنکھیں سنے کو بے چین ہوئیں۔

دعا میں نے کبھی تم سے نہیں کہا کہ تم مجھے اپنی ہر بات سے آشنا رکھو۔infact جب آج سے

تقریباً ایک سال تقر آٹھ ماہ پہلے جب ہماری دوستی ہوئی تھی میں نے کچھ اصولوں سے تمہیں آگا کر دیا تھا۔

(امبر ایڈمن فلور کے روم نمبر ایک سو چار میں بیٹھی تھی۔آج پہلا دن تھا کالج کے سارے بچے پر جوش تھے۔سب کے ہونٹوں پہ خوشی کے ترانے اور آنکھوں میں ایک نئے دور کی شروعات کی چمک تھی۔وہ سب لڑکیاں کتنی دعائیں کرتی تھیں۔بڑی ہونے کے لیے کالج یونیفارم پہننے کے لیے۔آج وہ در حقیقت یہاں پہنچ ہی گئیں تھیں۔کچھ لڑکیاں اپنی سکول فرینڈز سے مل رہی تھیں۔کئی لڑکیوں کی سکول والی دوستیں کسی دوسرے کمرے میں تھیں۔ان کا رول نمبر ان کی سہیلیوں والے کمرے میں نہیں تھا۔چند ایک لڑکیاں امبر کی طرح خاموش بیٹھی تھیں۔ظاہر کوئی سکول کی دوست کالج میں ساتھ آئی نہ تھی اور باقیوں کو وہ ابھی جانتی نہ تھی۔کالج جانے کے لیے جتنے پر جوش ہوتے ہیں۔اس سے زیادہ کہیں اداس اور غمگیں بھی ہوتے ہیں۔ہم انسان ہیں ہمارے اندر نئی جگہوں پر جانے اور نئے لوگوں سے ملنے کا جذبہ ہمیشہ زوروں پر ہوتا ہے۔ہر انسان کو تبدیلی پسند ہے۔خاص کر جب وہ تبدیلی اسے اس کی منزل سے اور قریب

کرتی ہو۔ لیکن اس سب کے بیچ میں ہمارے اندر ایک خوف ہمیشہ رہتا ہے جو ہمیں پوری طرح سے خوش نہیں ہونے دیتا جیسے آگے بڑھنے کی خوشی ہمیں پوری طرح سے اداس نہیں ہونے دیتی۔ جب ہم ایک جگہ سے دوسری جگہ پر جاتے ہیں تو پیچھے صرف جگہ کو ہی نہیں چھوڑتے بلکہ ہم لوگوں کو بھی چھوڑ رہے ہوتے ہیں۔ کسی کے لیے یہ لوگ زندگی کی کل کمائی ہوتے ہیں۔ لیکن زندگی کی اس کمائی پر انحصار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ہم اس کمائی کو کل سمجھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ ایک نئی اڑان بھرنے کے لیے۔ "آسماں تک اڑان بھرنے کے لیے پیر زمیں سے ہٹانے پڑتے ہیں۔" بلکل اسی طرح ایک نئی اڑان ہمیں حوصلہ دیتی ہے ساتھیوں کو الوداع کہنے کا۔ کیونکہ ہمیں آنا چاہیے اکیلے جینا۔ تنہا اڑنا۔ غیروں کی بھیڑ میں رہ کر خود کی خوشی کو محسوس کرنا ۔ ہزاروں پکاروں کے بیچ اپنے دل کی آواز کو سننا۔ ہمیں آنا چاہیے خود کے ساتھ۔ اس لیے زندگی میں سفر اور تبدیلی لازمی ہیں۔ ہمارا پہلا سفر جو ہم اپنوں چھوڑ کر کرتے ہیں۔ اکثر کالج کا ہوتا ہے۔ کیونکہ کہ ہم اس سفر کے لیے دس سال پرانے یاروں کو چھوڑے نئے راستوں پر نکلتے ہیں۔ یہ سفر ہر کسی کے لیے آسان نہیں ہوتا۔ دوستوں کو چھوڑنا ایک مشکل امر واقع ہوا ہے۔

زندگی نام ہے مسلسل سفر کرنے کا۔ سفر بچپن سے لڑکپن، لڑکپن سے جوانی اور جوانی سے پھر ادھیڑ عمر اور ادھیڑ عمر سے بڑھاپے کا۔ پھر بڑھاپے سے قبر تک کا۔ بعض دفعہ اس سفر میں ہم پر ایسے ایسے راز عیاں ہوتے ہیں۔ زندگی خود حیران رہ جاتی ہے۔

تمہارا بنایا ہر اصول مجھے یاد ہے۔ مجھے بہت سی چیزیں بھول گئیں کچھ تو میں نے یاد بھی کرنا چاہیں مگر ذہن سے ایسی محو ہوئیں کہ کوئی سرا ہی نہ ملتا تھا۔

مورنی آنکھیں نے امبر آنکھوں میں دیکھا۔ امبر آنکھیں متجسس سی مورنی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔

مگر،،،، مورنی نے سانس لیا۔

مگر کیا۔ امبر دھیمے لہجے بولی۔

مگر تمہارے اصول مجھے ہمیشہ یاد رہے۔ دعا نے ٹوپی کا چھجہ نیچے کرتے ہوئے کہا۔

(امبر کلاس کی فرسٹ چیئر پر براجمان تھی جو دروازے کے بلکل سامنے تھی۔ ایک لڑکی متعدد بار اس کے سامنے سے گزری، مگر وہ ہر دفعہ امبر گیلانی کو ضرور دیکھتی تھی۔ امبر کو غصہ

www.novelsclubb.com

آتا تھا اس کے بار بار بہار جانے اور پھر دروازہ دھکیل کے اندر گھسنے سے۔

بات سنو۔ وہی مورنی آنکھوں والی لڑکی امبر کے قریب سے گزری جب امبر نے اس کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

مورنی آنکھیں قدرے سکڑیں، سوالیہ نگاہوں سے امبر آنکھوں میں جھانکہ، ماتھے پہ انجانی سی فکر، یا پھر گھبراہٹ تھی۔

جی بولیں۔ مورنی امبر کی کرسی کے پاس کھڑی ہو گئی۔

آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہیں۔

اس دن مورنی کی آنکھوں والی لڑکی کو احساس ہوا کہ

اس کا مشاہدہ گہرا ہے۔

جی نہیں، ہاں مگر میں، آپ سے وہ۔ مورنی آنکھوں والی لڑکی بوکھلاہٹ میں جانے کیا کیا بول رہی تھی۔ امبر کے چہرے پر مسکراہٹ در آئی۔

آپ مجھ سے دوستی کرنا چاہتی ہیں۔ امبر کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے غالبا

نہیں یقیناً یہی بات ہو۔

اس کی سوچ وسیع ہے۔

یہ ایک ہی وقت میں مورنی آنکھوں کو امبر آنکھوں کے بارے میں ہونے والا دوسرا انکشاف تھا

۔

جی مگر آپ کو کیسے۔ مورنی آنکھیں قدرے چھوٹی ہوئیں کبوتر کی آنکھوں کی مانند اور الجھتے

ہوئے بات بیچ میں چھوڑ دی۔

تمہیں خوف ہے کہ کہیں میں نے انکار کر دیا تو تمہیں قطعاً اچھا نہیں لگے گا۔

امبر نے مغرور سی مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجائے ایک اور دھماکہ کیا۔

وہ دل کے راز جان لیتی ہے۔

مورنی خوف زدہ ہوئی یا شرمندہ بحر حال اس پر ہونے والا یہ تیسرا انکشاف تھا۔

اب جب آپ کو معلوم پڑ ہی چکا ہے تو کیا آپ دوستی کی یہ رفاقت نبھائیں گئیں۔ کلاس میں شور

بہت تھا پرندے نئی اڑن کی خوشیاں منا رہے تھے۔ وہ پروں کو پھلائے اک نئے سفر کی اڑان

بھرنے کے لیے پوری شان سے چہکتے ہوئے تیار دیکھائی دیتے تھے۔)

اچھاتو پہلااور سب سے ضروری اصول کیا تھادعاصفدر۔امبر نے دوپٹہ صحیح کرتے ہوئے سوال داغا۔

(دوستی ہوئی نہیں رفاقت نبھانے کی بات کہاں سے آگئی۔ حتی کہ مجھے توآپ کااسم گرامی بھی معلوم نہیں۔امبر آنکھیں نے مورنی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

اس کی زبان اور لہجہ قدرے گاڑھا تھا۔

مورنی نے ایک اور نتیجہ اخذ کیا تھا۔دوستی کیسے ہو گی وہ آپ بتادیں۔دعاصفدر نے امبر گیلانی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔لڑکیاں ان کے قریب سے گزرتی تھیں۔چندایک ان کے نزدیکی کھڑیں تھیں۔ان میں سے کئی لڑکیاں اچٹتی نگاہیں گاہے بگاہے ان پر بھی ڈال لیتی تھیں

۔

میرے اصول ہیں۔

میرا نام دعا ہے۔ابھی امبر بول ہی رہی تھی کہ دعااس کی بات کاٹتے ہوئے بول پڑی۔امبر نے

بیزاری سے آنکھیں پھریں مطلب دعا کا بیچ میں بولنا اسے کچھ خاص پسند نہیں آیا۔

تو دعا جی۔ میرے کچھ اصول ہیں۔ اگر تم مجھ سے دوستی کرنا چاہتی ہو تو کیوں نہ واقف کر دیا جائے تمہیں ہر اصول سے۔ آئی بڑی بل گیٹس کی کچھ لگتی۔ تھوڑی دیر بعد مقصد بھی بتا دے گی۔ دعا صرف سوچ ہی سکی کہنے کی ہمت تھی۔ نہ بولنے کی جرات کر سکی۔

پہلا اصول

ہم دونوں کی باتیں فقط ہمارے درمیان رہیں گی۔ کوئی بات کسی تیسرے تک نہیں پہنچنی چاہیے

۔

ہاں جیسے میں تو پہلے بھی چغلیاں کرتی رہیں ہوں۔ وہ پھر سوچ کہ رہ گئی۔

دعا کی نظروں کے سامنے ان کی پہلی ملاقات کا تمام منظر کسی فلم کی طرح گھوم رہا تھا۔

دوسرا اصول

ہم کوئی بھی بات ایک دوسرے سے نہیں چھپائیں گے۔ خاص طور پر وہ بات جو ہمیں اندر سے بے چین کر رہی ہو۔

میں تو ہوں ہی isi کی خفیہ جاسوس۔اس نے ذہن میں جواب دینے کا عمل جاری رکھا۔

(ISI سے مراد inter- services intelligence) ہے۔یہ پاکستان کی سب سے بڑی خفیہ معروف ایجنسی ہے۔جو ملکی اور غیر ملکی معلومات اکھٹی کرتی ہے اور ان پر تجزیہ کرتی ہے۔

دعا نے دوسرا اصول بھی لفظ بہ لفظ بتایا۔امبر نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا۔

تیسرا اصول

ہم ایک دوسرے کے پابند نہیں ہوں گے۔مرضی تو کوئی کسی پر بلکل بھی مسلط نہیں کرے گا۔

ہاں جیسے پہلے تو میرے بارے جبر کی افواہیں گردش کر رہی ہیں۔

دھوپ بڑھ گئی۔سورج تپنے لگا۔راہداری کا سفید فرش سورج کی پڑتی کرنوں سے چمکنے لگا۔دعا کو دھوپ بلکل بھی نہیں پسند تھی۔وہ دیوار کے قریب ہوئی۔دھوپ سے دور چھاؤں میں کھڑی ہو گئی۔

البتہ امبر قدرے دھوپ میں تھی۔

چوتھا اور آخری اصول امبر دھوپ سے چھاوں میں آتے ہوئے بولی۔

یاد ہے مجھے بلکہ یہ میرا دل پسند اصول ہے۔دعا ٹوپی کے چھجے کو اوپر کرتے ہوئے بولی۔چلو کوئی تو اصول اس کا بھی دل پسند ہوا۔

چوتھا اصول۔

ہم میں سے کوئی بھی جب بھی چاہے دوستی توڑ سکتا ہے۔وجہ جاننا اہم نہیں لیکن کہیں بھی کسی بھی جگہ کبھی بھی ہم ایک دوسرے کو کٹہرے میں کھڑا کر کے جراح نہیں کریں گے۔مذاق نہیں اڑائیں گے اور احسانات تو بلکل بھی نہیں گنوائیں گے۔

اس کے پیچھے کی وجہ بھی امبر کی ایک الگ ہی منطق تھی۔اس کا خیال تھا کہ "چھوڑ کر جانے والے سے جانے کی وجہ نہیں پوچھنی چاہیے۔بے وفا سے دغا دینے کی۔غدار سے وفاداری نہ نبھانے کی۔کیونکہ اگر تم پوچھ بھی لو گے تو مایوس ہو گے۔جن کو وفا کا علم ہو وہ دغا نہیں کرتے۔جن کو قدر ہو وہ چھوڑا نہیں کرتے۔جن کو وفاداری کے معنی آتے ہیں وہ غداری نہیں کرتے۔

www.novelsclubb.com

اس لیے جانے والے سے چھوڑ جانے کی وجہ نہیں پوچھا کرتے۔اسے جانے دیتے ہیں۔بنا کچھ کہے۔بغیر کچھ سنے۔یہ ہی اصول ہے اور یہ ہی قاعدہ۔"

(مجھے ہر بات منظور ہے۔میں ہر قاعدے پر پوری اتروں گئ۔دعا نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

کئ لڑکیوں نے طائرانہ نظروں سے،چند نے ستائشی اور متعدد نے حسد کی نظروں سے دیکھا

۔جب وہ دونوں ہینڈ شیک کر رہیں تھیں۔یہاں سے ہوا اس لازوال دوستی آغاز جس میں کئ دور مشکل اور کٹھن راہوں کے تھے)

تمہاری یاداشت میری سوچ سے زیادہ اچھی ہے۔امبر نے دعا کو سراہتے ہوئے کہا۔

مورنی کو پسند تھا سراہا جانا۔خوشی کی انتہا نہ رہی۔

تمہارے ساتھ رہ کہ ہو گئ۔ورنہ بھولنے کی عادت بھی میری ہی تھی۔مورنی آنکھیں مسکرائیں۔

دیوار**کے****بائیں****طرف**

لڑکے نے اے سی آن کر دیا۔سب سکون سے بیٹھے تھے۔آفس میں سکوت چھایا ہوا تھا،مکمل

سناٹا، خاموشی اس قدر راج کر رہی تھی کہ چیونٹی بھی چلے تو گھوں گھوں سنائی دے۔

سامنے والی کھڑکی کھول دیتے ہیں۔ کسی نے سرگوشی کی اور خاموشی چھناکے سے ٹوٹ گئی۔

آفس کی دیواریں سنتی رہیں۔ پینٹنگز دیکھتی رہیں۔ کرسی اور میز کا بس نہ چلتا تھا ان کو نکال بہار کریں۔ ظاہر ہے وہ بے جان صحیح مگر بے وفا تھوڑی ہیں۔

اگر کوئی آیا بھی تو یہ کھڑکیاں یہاں سے نکلنے کا واحد اور محفوظ راستہ ہیں۔ سلطان نے آنکھیں گھمائیں جیسے کہ رہا ہو مشیر صاحب ایسے مشورے آپ ہی دے سکتے ہیں۔ ورنہ ہم جیسے بھولوں تو معلوم ہی نہ ہوتا۔

کھڑکیاں کھول دی گئیں۔ ساتھ ہی بلب بھی بجھا دیا گیا۔ اب وہ تمام نفوس آرام سے اپنے اپنے موبائلز میں غرق ہو گئے۔ حمزہ سلطان یہاں آیا تو سلطان بن کر تھا۔ مگر کون جانے نکلے گا کیا بن کر۔ یہ وقت کے چکر تھے۔ کہتے ہیں وقت اندھا، بہرا اور گونگا ہوتا ہے۔ اس کے چکر میں پسنے والا معصوم ہے یا مظلوم، ملزم ہے یا مجرم اسے کوئی خبر نہیں ہوتی۔ جو ایک بار چکر میں آجائے پھر وہ پستا ہے اور پس کر رہتا ہے۔ اس کے سامنے پکار، آنسو، آہیں اور آرزو سب ردی ہو جاتا

ہے۔

دس**بج****کر****تیس****منٹ**

بیل کی چنگھاڑتی آواز کانوں کے پردے پھاڑ رہی تھی۔کالج میں باتوں سے زیادہ قدموں کی آواز سنائی دیتی تھی۔ہر کوئی بھاگتا نظر آتا تھا۔کسی کا لیکچر شروع ہو رہا تھا اور کسی کا اختتام کو پہنچ رہا تھا۔ایسے میں وہ بچے جو ہر لیکچر کے بعد کینٹین جانا اپنا فرض سمجھتے ہیں وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے کینٹین کی اور جاتے ہوئے دیکھائی دیتے تھے۔

سارا کالج گھوم کر اگر کالج کے ایڈمن بلاک کی طرف آو۔سیڑھیوں سے اوپر چڑھو اور دائیں جانب مڑ کر بائیں ہاتھ والے دروازے میں گھس جاو نیچے چالیس کی تعداد میں سیڑھیاں ہیں انہیں اتر کر نیچے دیکھو تو ایک لائین میں تین کمرے نظر آئیں گے۔

کمرہ نمبر ایک سو تیئیس میں نظر دوڑاو تو فرنٹ پر ہی ہمارے دونوں کردار کرسیوں پر براجمان نظر آئیں گے۔

کمرے میں شور برپا ہے ہر کوئی باتوں میں مصروف دیکھائی دیتا ہے۔دائیں جانب لڑکے بیٹھے ہیں

اور بائیں طرف لڑکیاں براجمان ہیں۔امبر خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے طائرانہ نظروں سے ہر کسی کو دیکھ رہی ہے۔خدا جانے وہ لوگوں میں کیا تلاشتی ہے جانے اس کا کون کھو گیا ہے۔

دعا گردن کو پیچھے موڑ کر لڑکیوں سے محو گفتگو ہے بلکہ یوں کہنا کچھ غلط نہ ہو گا کہ مورنی آنکھیں اپنی تعریف سننے میں مگن ہیں۔

امبر کی کرسی سے باہر دیکھو تو راہداری کے دائیں طرف والا کمرہ اور اس میں بیٹھے نفوس بنا کسی دقت کے صاف نظر آتے ہیں۔

ذرا سا غور کرو تو تمہیں معلوم ہو پہلی لین میں رکھی نیلی کرسیوں پر حمزہ سلطان اپنے پورے گینگ کے ساتھ براجمان ہے۔

www.novelsclubb.com

وقت کی سوئیوں کو ذرا سا پیچھے گھماتے ہیں۔

دس بج کر پندرہ منٹ ہو چکے تھے۔سلطان کرسی پر بیٹھا موبائل میں غرق تھا۔جب وارننگ بیل بجی اور سلطان صاحب کو وقت کا احساس ہوا۔مگر سلطان سے ذرا سا پیچھے جھانکو تو پیادے ابھی بھی ویسے ہی پڑے تھے۔ایک آدھ موبائل میں مصروف اور چند ایک نیند کی وادیوں میں

سیر کو نکل چکے تھے۔

سب کہ سب فوراً سے پہلے اٹھو بیل رنگ ہو چکی۔اس سے پہلے کہ تمام اساتذہ جماعتوں سے باہر آئیں ہمیں یہاں سے نکلنا ہو گا۔

سب اٹھ گئے، نیند کی سیر پر جانے والے بیچ راہ میں ہی موڑ لیے گئے۔اے سی بند کر دیا گیا۔اب ان سب کا رخ کھڑکی کی طرف تھا۔مطلب صاف تھا کھڑکی پھلانگ کر باہر جائیں گے۔اب وہ ایک ایک کر کے کھڑکی سے کود رہے تھے۔سلطان سب سے آخر پہ کودا۔ظاہر ہے وہ اپنے پیادوں کا خیال نہیں رکھے گا تو کون رکھے گا۔کھڑکی باہر سے بند کر دی گئی۔کھڑی تو بند ہو گئی۔ مگر اس بند ہوتی کھڑکی نے اپنے سلطان کے لیے مشکلات کے دروازے وا کر دیے تھے۔

حال

امبر بات سنو۔دعا لڑکیوں سے داد وصول کر کے امبر کی جانب متوجہ ہوئی۔

امبر نے سوالیہ نظروں سے مورنی آنکھوں میں دیکھا۔وہ بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کی انگلیاں مروڑنے لگی۔

امبر تم اس کرسی پر آجاو۔ مورنی نے آنکھوں میں منت سماجت کے کٹورے بھر لیے۔ لہجہ گلوگیر ہو گیا۔ ایک نمبر کی ڈرامے باز۔ جیسے سامنے والی تو اس کی اس بھینگی اداکاری سے واقف ہی نہیں۔

دعا صفدر یہ ڈرامے چھوڑ دو تم۔ امبر نے کہتے ہوئے کرسی چھوڑ دی۔ بعض دفعہ آپ کو اپنے دوستوں کے لیے چھوٹی چھوٹی قربانیاں دینی چاہیے۔ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں سے رشتے گہرے اور دل خوش ہوتے ہیں۔ اور انھیں چھوٹی چھوٹی چیزوں کو اگر رد کر دیا جائے تو رشتوں میں دراڑ ڈالنے کے لیے کسی بڑے جھگڑے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مورنی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ یہ خوشی کرسی پر بیٹھنے کی نہیں تھی۔ یہ مسکراہٹ تو وہاں سے نظر آنے والے شخص کے دیدار کی تھی۔

دعا کی نظریں سامنے ایک کمرے کے دروازے سے ہوتی ہوئیں دوسرے کمرے کے دروازے کو پار کر کے سامنے بیٹھے شخص پر گڑ گئیں۔

"دل پہ تو چاہ کی تہمت ہے محظ۔ یہ فساد تو آنکھوں نے برپا کر رکھے ہیں۔"

دوسرے کمرے میں موجود شخص کو محسوس ہوا جیسے کوئی اسے نظروں کے حصار میں لیے ہوئے ہے۔اس نے پہلے کمرے میں نظر دوڑائی تمام لڑکے لڑکیاں مصروف و مگن دیکھائی دیئے۔اس نے سر جھٹکا اور ہاتھ میں پکڑے سفید کاغذوں میں محو ہو گیا۔

چند لمحے وہ سفید صفحات پر کالی روشنائی سے چھپے لفظوں کو دیکھتا رہا۔اس دفعہ اس نے کمرے میں نہیں بلکہ کمرے کے سامنے دروازے کے پار دیکھا۔

سیاہ آنکھیں مورنی آنکھوں سے جا ٹکرائیں۔مورنی آنکھوں نے سیاہ آنکھوں سے اس ملن کو ازبر کر لیا۔سیاہ آنکھیں قدرے حیرت زدہ لگتی تھیں۔

سیاہ آنکھوں والے شخص کو مورنی کی آنکھوں میں کچھ نقص کا شعبہ ہوا۔کمرہ نمبر ایک سو تئیس کے بھورے کیواڑ نے کمرہ نمبر ایک سو پینتیس کے کیواڑ کو اشارہ کیا۔سفید دیواروں نے اس اشارے کو دیکھا تو کھوج لگانے کے لئے اشارے کی تقلید میں دیکھا۔

کمرے کی دیواروں اور کیواڑوں نے آنکھوں کے اس ملن کو اپنی یادوں کے بھنور میں قید کر لیا۔ مورنی آنکھیں جھپکنا بھول گئیں۔سیاہ آنکھیں دل کا راز پہچان گئیں۔آنکھوں کے ملن نے

عشق کی اک نئی داستان لکھ دی۔ قسمت نے اپنے تئیں فیصلے کر ڈالے۔ دل دھک دھک کرتا ہر شے سے مجہول یہ دیکھتا رہا۔ تقدیر نے دلِ ناآشنا کو عشق کا جام دے دیا۔ ہجر کی اذیت کاٹنے کا پیام دے دیا، اگر ہوا خدا مہربان تو وصل یار کی نوید کا پیغام دے دیا۔ محبت بہت مغرور ہے۔ اس کی انائیں بلند ہیں۔ یہ جب بھی کسی پر اترتی ہے تو اس کی پرکھ کرتی ہے۔ یہ جس دل ہر نازل ہوتی ہے۔ اسے آزمائشوں کے بھنور میں لپیٹ دیتی ہے۔ اگر پورا اترا تو خوش نصیب اور محبت کی دنیا میں خوش آمدید۔ اگر لڑکھڑا گیا تو ذلیل خوار اور زمانے بھر کی رسوائی اس کا نصیب کر دیتی ہے۔ جس نے محبت کو سر چھڑایا پھر محبت نے اس کا سر تن سے جدا کروایا۔

مورنی آنکھیں خوشی سے پھولیں نہ سماتی تھی۔ سیاہ آنکھیں خود کو نایاب تصور کرتیں تھیں۔ سیاہ آنکھوں والے شخص نے بھنویں چھڑائیں۔ جیسے وہ مخالف صنف کی آنکھوں کی چمک کو نہ سمجھتا ہو۔ مورنی آنکھیں منفعل سی جھک گئیں۔ سیاہ آنکھوں کا یقین پختہ ہو گیا۔ یوں ایک نادان عشق کی داستان کا آغاز ہوا۔

عشق نادان ہے یا انسان اتنا بھولا ہے کہ اس کی نادانیوں کے جھکڑ میں پھنستا چلا جاتا ہے۔

ہزاروں لوگوں کی موت کے باوجود انسان اس عشق و معشوقی کے کھیل سے باز نہیں آتا۔ یہ ایسا کھیل اگر اس میں ہارے تو بھی مات ہے اور اگر جیتے تو شہ مات ہے۔ انسان چاہ کر بھی کچھ چن نہیں پاتا۔ عشق دنیا کی وہ واحد شے ہے جس کے ہر آپشن میں ایک ہی جواب ہے۔ مطلب ہزار راستے ہیں مگر ہر رستے کی منزل ایک ہی ہے۔

اے سی کی مصنوعی ہوا نے اس آغاز کو خود میں قید کر لیا۔

امبر دعا کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھی نظریں جھکائے کچھ پڑھنے میں مگن تھی۔ مورنی آنکھوں کی ہمت نہ ہوئی دروازے کے پار پھر سے دیکھنے کی۔ دل نے اک نظر اور کی فریاد کی آنکھوں نے منفعل سی پلکیں لرزائیں۔

اسلام علیکم کلاس۔ کھلے دروازے سے اندر داخل ہوتے شخص نے قدرے اونچی اور روب دار آواز میں کہا۔ آنے والا مرد تھا۔ سفید شرٹ کے نیچے بلیک پینٹ پہنے ہوئے۔ وجیہہ چہرہ، ہلکی داڑھی۔ پر کشش آدمی۔

طلباء کی طرف دیکھتے وہ ڈائز کی اور بڑھ گئے۔ دعا نے سر کی جانب دیکھا اور پھر امبر کے کان میں

www.novelsclubb.com

کچھ سرگوشی کی۔امبر غصے سے مورنی آنکھوں کو گھر کا اور کتاب پر دھیان دیا۔

سر کا رخ جوں ہی سفید بورڈ کی طرف ہوا مورنی آنکھیں دروازے کی طرف ہمکیں۔ مگر مورنی آنکھوں نے دیکھا دروازہ بند ہے۔چہرے پر ناگواری در آئی۔غصے سے سر کو ایسے دیکھا جیسے کہ رہی ہو چاہے زمانہ کوئی بھی مگر رقیب ہمیشہ رہیں گے۔ایک بار پھر غصے اور جھنجھلاہٹ سے دروازے کو دیکھا مگر دروازہ یوں ہی منہ چڑاتا رہا۔امبر ظاہری طور پر ہر بات سے ناواقف فقط کتاب اور وائیٹ بورڈ کو دیکھنے میں مصروف تھی۔ سر کچھ سمجھا رہے تھے بھری کلاس سر کو ہاں میں جنبش دے رہی تھی۔دعا بت بنے بیٹھی تھی۔جیسے پانی سے کسی نے اسے برف کا کر دیا ہو اور جب تک کوئی ہاتھ لگا کہ پانی نا کر دے وہ سٹیچو کا رول نبھاتی رہے گی۔

آپ بتائیں۔ سر نے انگلی کا رخ دعا کی جانب کرتے ہوئے اس کے طوطے اڑا دیے۔مورنی آنکھیں ایسے بڑی ہوئیں جیسے کسی ناہونے والی انہونی کی خبر ملی ہو۔

می، میں سر جی۔دعا کی زبان لڑکھڑا گئی، آواز لرز گئی۔خوف سے بھری کلاس میں بے عزتی کے ڈر سے۔جسے تعریف سننے کی عادت ہو وہ بے عزتی برداشت نہیں کر سکتے۔

ججی، یقیناً میں آپ سے ہی مخاطب ہوں۔ سر اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سر یہ ٹوپک مجھے بلکل بھی سمجھ نہیں آرہا۔اس لئے تو میں گم صم بیٹھی ہوں۔جب کچھ نہ آئے پھر بات اگلے بندے پر ڈال دو سارا رپھڑ ہی ختم۔آپ اس سے پوچھ لیں۔پھر بھی کام نہ بنے تو ہر اعتماد شخص کی گواہی دلوادو۔پھر بس۔کیس آپ کے حق میں۔امبر کی طرف اشارہ کیا گیا۔

امبر ہونقوں کی طرح مورنی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

امبر بتاو نا سر کو میں نے کہا تھا نا کہ مجھے یہ والا سٹرکچر سمجھ نہیں آرہا۔سر دونوں کو دیکھتا رہا۔ہاں سر اس نے کہا تو تھا۔امبر نے غصے سے جبڑے ایسے بھینچ لئے جیسے اس کو زندہ چبا رہی ہو۔

اچھا چلیں۔میں پھر سے سمجھاتا ہوں۔اس دفعہ دھیان سے سمجھنا۔سر مورنی آنکھوں سے مخاطب تھا۔

اس نے سکھ کا سانس لیا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ جھوٹی عورت مجھے کیوں پھنساتی ہو۔امبر نے غصے بھرے انداز میں دانت پیستے ہوئے سرگوشی کی تھی۔

دوست ہو تم میری کچھ کام تو آو۔مورنی اسی قدر مسکرائی جس قدر امبر غصے سے جبڑے بھینچ

رہی تھی۔

بی بی جا کے کوئی تھیڑ ویٹر جوائن کرو۔پڑھائی میں دل ویسے بھی نہیں لگتا تمہارا۔امبر نے صلح دی ۔سر نے خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ساری کلاس میں خاموشی طاری تھی۔ہر کوئی سر کی جانب متوجہ تھا۔بس ہماری مورنی کی آنکھیں آگے پیچھے پہرے دینے میں مصروف تھیں۔سامنے سے دیکھتے وائیٹ بورڈ کا بس نہ چلتا تھا کہ اسے اٹھا کے یہاں سے کالج سے بھی چھ فٹ دور پھینک آئے۔مورنی آنکھیں وقتاً فوقتاً سفید بورڈ پر بھی چلی جاتیں۔اب بیچارہ سامنے ہی تو ہے ایک نظر مارنے میں کیا ہی حرج ہے اور اس عورت کا یہی انداز اس بورڈ کو زہر لگتا تھا۔کلاس ختم ہوئی پڑھنے والوں نے پڑھ لیا۔ہر کسی نے کاپی پینسل سمیٹے بیگ بند کیا۔مورنی کا انتظار ختم ہوا۔پھٹ سے کرسی چھوڑی اور امبر کی طرف لپکی۔چلو چلیں جلدی کرو۔

کیوں جلدی کریں تیرا کی جہاز لٹی جانداای(تمہارا کیا جہاز لٹ رہا ہے)امبر آنکھوں والی لڑکی نے بیگ میں بھورے گتے والا رجسٹر گھساتے ہوئے کہا۔

جو لوٹ کر نہیں آئے گا میرا تو وہ لٹ گیا۔مورنی آنکھیں چھوٹی ہوئیں اور پھر کبوتر کی طرح

آنکھوں کو بلکل چھوٹا کر لیا۔واللہ اس کا یہ انداز کوئی دیکھ لے تو دل تو کیا جان بھی ہار دے۔

بس لٹ ہی نہ جائے تمہارا کچھ۔امبر قدرے جھنجھلا کے بولی۔

مورنی آنکھوں والی لڑکی نے ناک چڑھایا ہونٹ بلکائے۔خیر امبر کو کسی سے کیا۔ایک یہ کمزور دل لوگ تو ویسے ہی اسے تپ چڑھاتے تھے۔

ایک منٹ سنو۔امبر اور ہماری مورنی دروازے کی جانب بڑھ رہی تھی جب امبر نے دعا کو ٹوکا۔

کلاس تقریبا خالی ہو چکی تھی۔ایک آدھ لڑکی بیٹھی نظر آتی تھی شاید انھیں ذرا دیر سے جانا ہو۔

ہاں اب کیا ہو گیا۔مورنی آنکھیں بیزاری سے گھومیں کلاس کے نکڑ میں بیٹھی کھلے بالوں والی لڑکی ان کو ہی دیکھ رہی تھی۔ظاہر جب کرنے کو کچھ نہ ہو پھر تھوڑی تلے ہاتھ رکھو اور ہر آتے جاتے کو دیکھتے رہو۔

"میں پوچھ رہی تھی کہ تم سے کون پاگل کچھ لوٹے گا"امبر نے ہونٹ دانتوں تلے دبایا پلکیں جھپکائیں اور ڈرامائی انداز میں ہنستے ہوئے پوچھا۔

اب ایسی بھی کوئی بات نہیں لوٹنے والے نے لوٹ لیا اور لٹنے والا بخوشی لٹ گیا۔مورنی آنکھیں

دروازے میں لگے چھوٹے سے شیشے سے باہر جھانکتے ہوئے سحر زدہ سی بولیں۔

سحرِ دل، مسحورِ من مورنی آنکھیں دیدار طلب۔امبر نے زور سے دروازہ مارا تو اس پر چھایا طلسم چھناکے سے ٹوٹ گیا۔مورنی نے جھنجھلا کے امبر کی جانب دیکھا۔امبر کا دیکھنے کا انداز ایسا تھا جیسے کہ رہی ہو

بی بی چلیں یا سارا محل یہیں تعمیر کرنا ہے۔

مورنی آنکھوں میں جھنجھلاہٹ در آئی۔دعا باہر کو لپکی،خوشی سے سامنے والا دروازے کی اور ہمکی، مگر خالی کمرہ منہ چڑا رہا تھا۔مورنی آنکھوں کی مراد بر نہیں آئی۔دل بھی قدرے بے چین ہو گیا۔ساری مسرت مانند پڑ گئی۔اچھلتا پانی یک دم خاموش ہو گیا۔ہر شے پر جیسے سکوت چھا گیا ۔دعا نے زوردار مکا دروازے کے نام کیا۔خالی راہداری میں آواز گونج اٹھی۔امبر جو قدرے آگے جا چکی تھی پیچھے مڑ کے دیکھا۔اسے کیا ہوا اور اتنی پیچھے کیسے رہ گئی۔امبر بڑبڑاتے ہوئے لمبے لمبے ڈگ بھرتی دعا کی جانب بڑھنے لگی۔

در و دیوار ایسے دیکھتے تھے جیسے کہ رہے ہوں گرمی زیادہ ہے سٹیا گئی ہو گی۔

کیا ہوا۔امبر نے اس کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

کچھ نہیں دروازے چیک کر رہی تھی۔امبر کو شعبہ گزرا۔دعا تم ٹھیک ہو۔

ظاہر ہے مجھے کیا ہونا ہے۔بس ایسے ہی دیکھ رہی تھی۔کہ ہمارے کالج کے دروازے کیسے ہیں۔

جو بھی زبان پر آیا بول دیا۔کوئی بہانہ بن کے نہیں دے رہا تھا اس کی اداکاری آج ڈھیر ہو گئی۔

اچھا چلو کولر سے پانی پیتے ہیں۔امبر نے اس کا دائیں بازو پکڑا اور گھسیٹنے والے انداز میں باہر کی جانب بڑھ گئی۔

پھولوں کا شہر۔۔۔۔۔

پھولوں کے شہر میں جاو اور پھر اتہ پتہ پوچھتے ہوئے انصاف سٹی نامی کالونی میں پہنچ جاو۔سامنے بڑا سا گیٹ لگا ہے جس پر کھردرے الفاظوں سے نیلے رنگ کی روشنائی سے بڑا بڑا انصاف سٹی لکھا نظر آرہا ہے۔ذرا یہ سٹیل رنگ کا گیٹ کھول کر اندر جاو اور پھر سامنے سبز میدان سے ہوتے ہوئے دائیں طرف مڑ جاو چار قدم اور آگے کو لو تو ایک مکان پر سلطان ہاوس لکھا نظر آتا ہے۔یہ گھر اگرچہ بہت بڑا نہیں مگر بہت چھوٹا بھی نہیں۔اگر تم دبے پاوں گھر کے اندر داخل

ہو تو دیکھو سامنے ہی لاؤنج نما بڑا سا ہال ہے اور اسی ہال میں طرح طرح کے ٹیبلز اور ان پر واسیز رکھے ہیں. دیواروں پر پینٹنگز موجود ہیں۔ایک نظر میں دل بھانے والا گھر تھا۔

ماما میرے ہیڈ فونز کہاں ہیں۔یہ چیخنے کی آواز اوپر سیڑھیوں کی طرف سے آرہی تھی۔اگر تم غور کرو تو آواز جانی پہچانی تھی۔اور یہ سیڑھیاں اترتا ہوا حمزہ سلطان دیکھائی دے رہا ہے۔بلیک پینٹ شرٹ میں ملبوس بکھرے بال، کچھ بال ماتھے پر بکھرے ہوئے ہیں جو اس کے چہرے کو مزید خوبصورت بنا رہے ہیں۔اگر ایک نظر تم دیکھ لو تو نگاہیں ہٹانا بھول جاو۔وہ دھپ دھپ سیڑھیاں اتر رہا تھا ساتھ گلہ پھاڑ کے چیخ بھی رہا تھا۔

حمزہ۔کارخ اب کونے میں بنے ایک کمرے کی طرف تھا۔اگر تم اس کے قدموں کے پیچھے دوڑو تو دیکھو وہ کمرہ نہیں کچن تھا۔بڑا سارے کچن کو بھورے رنگ کا پینٹ کیا گیا تھا دیکھنے سے لگتا تھا جیسے لکڑی لگی ہو اور ایک طرف سبز سبز سا رنگ کیا گیا تھا جو بھوک کو مزید بڑھاتا تھا۔

ماما میں کب سے بول رہا ہوں آپ سن کیوں نہیں رہی۔حمزہ کچن میں گھستے ساتھ شروع ہو گیا۔ مگر اس کی آواز کو ایک دم بریک لگ گیا۔آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ماما اس کی آواز کہیں دور

سے آئی تھی۔

کچن میں اس کی ماں ارد گرد سے بے نیاز پکوڑے تل رہی تھی۔ لیکن جسے دیکھ کر حمزہ ہکا بکا رہ گیا وہ اس کے ہیڈ فونز تھے۔اس کی ماں کے کانوں میں لگے ہوئے تھے۔ حمزہ کو پکوڑے بہت پسند تھے اتنے کہ وہ پکوڑوں اگر دیکھ لے تو باقی سب بھول جائے۔ مگر ابھی وہ پکوڑوں کو نہیں دیکھ رہا تھا۔اسے تو شائد معلوم بھی نہ تھا کی پکوڑے تلے جا رہے ہیں۔ پکوڑے کڑاھی میں گرائے جاتے اور ذرا دیر بعد الٹ پلٹ کیے جاتے اور پھر نکال کر ساتھ رکھی ٹرے میں رکھ دئے جاتے تھے۔

کئی لمحے سرک گئے، کئی پل آ کے گزر گئے چند گھڑیاں یونہی بیت گئیں۔ حمزہ یونہی بت بنا کھڑا رہا ، پکوڑوں کی خوشبو، تیل کی چھنک چھنک کی آواز اسے کچھ بھی نہ سنائی دیتا تھا۔ایک پکوڑہ جسے حمزہ کی ماں تیل میں قدرے نیچے کی طرف دبا رہی تھی چیخ کی آواز کے ساتھ اوپر کو ہوا۔ تیل کی بوندیں اچھٹیں اور ایک بوند بت بنے کالی آنکھوں والے مرد کے بازو پر جا لگی۔بت میں حرکت ہوئی، فسوں چھناک سے ٹوٹ گیا۔ حمزہ نے بولنے کو لب کھولے، قدم آگے کو بڑھائے، اسے

محسوس ہوا قدموں کا بوجھ بڑھ چکا ہے ایک قدم من کا لگتا تھا۔ مگر اس نے قدم بڑھائے شائد قدموں کا بوجھ دل کے بوجھ سے ہلکا تھا۔ وہ فیصلہ نہ کر سکا۔

ماما آ۔۔آ۔۔آپ میرے ہیڈ فونز کیوں۔۔۔۔۔۔۔یہ چار لفظ بھی اس نے خدا جانے کیسے بولے تھے۔ پکوڑے تلے جا چکے۔ ماں کا چہرہ ہر جزبے سے عاری تھا۔ تیل کی کڑھائی نیچے اتاری، گیس کا چولہا بند کیا۔ ہیڈ فونز ابھی بھی کانوں میں تھے۔ دیکھنے سے لگتا تھا ماں کو حمزہ کی موجودگی کی خبر نہیں۔ لیکن حمزہ کو معلوم تھا ماں کو اس کی موجودگی کا تب ہی معلوم ہو چکا تھا جب وہ باہر سے آوازیں لگاتا کچن میں آیا تھا۔ ظاہر ہے وہ ماں ہے آواز سنائی بھلیں ہی نہ دی ہو بیٹے کی مہک کوسوں دور سے پہچانتی تھی۔

حمزہ ہم بعد میں بات کریں گے۔ ابھی ہاتھ منہ دھو آو گرما گرم پکوڑے تیار ہیں۔ حمزہ کو یقین نہ آیا۔ کالی آنکھیں جو خوف سے پہلی تھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ ماں اتنا سادہ ساری ایکشن کیوں دے رہی ہیں۔ ماں نے کچھ کہا کیوں نہیں۔ کوئی ڈانٹ کوئی نصیحت کوئی وارننگ کچھ بھی نہیں۔ خیر اس کے قدم ہولے پھول ہو گئے۔ پکوڑوں کی مہک اس کے نتھنوں میں گھسنے لگی

www.novelsclubb.com

تھی۔خوشی کی انتہانہ رہی مطلب ماں کو کچھ نہیں پتہ لگا۔وہ ایویں اتنا پریشان ہو گیا تھا۔

پکوڑوں کو دیکھ کر بھوک اور بڑھ گئی اس نے ہیڈ فونز اٹھائے ماں کو ہگ کیا اور فریش ہونے اوپر کی طرف دوڑ گیا۔گناہ چھپ جانے کی خوشی اس قدر اطمینان بخش ہوتی ہے مگر کیا گناہ ہمیشہ چھپا رہتا ہے نہیں بلکہ گناہ تو کبھی بھی نہیں چھپتا کیونکہ گناہ اور ثواب کا فیصلہ کرنے والا تو ہر بات سے پہلے ہی باخبر ہوتا ہے۔پھر ہم انسان کس سے گناہوں کو چھپاتے پھرتے ہیں۔

کھٹ پھٹ کی آواز کمرے کے کونے سے آتی سنائی دیتی تھی۔اگر ذرا سی نظر دوڑاو تو کمرے میں بیچ بیڈ پر بیٹھی مورنی آنکھیں موبائل میں غرق نظر آتی تھیں۔اور کونے میں موجود الماری کے نیچے کے خانے میں کوئی چیزیں درست کرتا نظر آرہا تھا۔اس کے لمبے بال پشت پر پھیلے ہوئے تھے۔آبشار کی مانند بکھرتے بال نیچے سے قدرے موڑے ہوئے تھے۔بالوں میں سے ذرا ذرا سے گلابی رنگ کے کپڑے نظر آتے تھے۔ادھر بیڈ پر بیٹھی مورنی آنکھوں والی لڑکی ذرا سی نظر گھما کر الماری میں گھسی لڑکی کو ایسے دیکھتی تھی جیسے چوہے کو جب وہ کپڑے کتر دے۔البتہ وہ لڑکی اب بھی یونہی بیٹھی تھی۔اس کی کہنیاں ہلتی نظر آتی تھیں شائد وہ کچھ درست طریقے سے

رکھ رہی تھی۔

پچھلے دو گھنٹوں سے یونہی شور کر رہی ہو۔ کہیں دادا کا خزانہ تو نہیں اس الماری میں۔ نہیں بلکہ ٹھرو کہیں دادی خواب میں تو نہیں آئیں تھیں نہ تمہارے کوئی پرانی وصیت کا پتہ بتانے ہیں نہ یہی بات ہے۔

مورنی نے موبائل ایک طرف پٹک دیا اب وہ بیڈ پر الٹی لیٹی تھی اور منہ الماری میں گھسی لڑکی کی جانب تھا۔

جس گھر میں پڑھے لکھے جاہلوں کا بسیرا ہو ناوہاں اگر چار گھنٹے بیٹھ کہ بھی صفائی کرنی پڑے تو پھر بھی کچھ نہ کچھ رہ ہی جاتا ہے۔

لڑکی نے منہ مورنی آنکھوں کی طرف کیا، ہاتھ سے بال پیچھے کو اڑسے، بھنویں چڑانے کے انداز میں چڑھائیں۔

دعا کو یہ الفاظ اپنی بے عزتی محسوس ہوئے۔ غصے سے نتھنے پھول گئے۔ یہ تم indirectly مجھے ہی بول رہی ہو نا۔

حد ہے اتنا ڈائریکٹ تو بولا ہے۔ مومنہ نے ایک بار پھر منہ پھیر کر اسے دیکھا اور کندھے ایسے اچکائے جیسے کہ رہی ہو لوگ کہتے ہیں بیوقوف نہیں ملتے۔ اور منہ واپس الماری میں گھسا لیا۔

تم اپنی حد میں رہو۔ دو کام کیا آتے ہیں۔ بنتی رہتی ہے۔ پتہ نہیں سمجھتی کیا ہے۔ ویسے بھی میں نے نہیں کہا تھا خود کو ماسیوں والے چاو چڑھے ہیں۔ بس اب جب تک مورنی آنکھوں کا غصہ ٹھنڈا نہ ہو جائے بولتی رہے گی۔ بول بول کر اپنی فرسٹریشن نکالنا اس کا خاصا تھا۔

کیے جاو بک بک مجھے کیا پڑی ہے۔ الماری والی چوہی کی آواز پھر آ گونجی۔

بھاڑ میں جاو تم اور تمہارے کام۔ دعا نے تکیہ سیدھا کیا، گردن اتنی زور سے مروڑی کہ چٹخنے کی آواز آئی۔ یہ دنیا اور اس کے لوگ اس کے اچھے سلوک کے حقدار ہیں ہی نہیں۔

☆☆☆☆☆☆ (☆▽☆)

امبر تمہارے امتحانات کب ہیں۔ امبر ٹی وی دیکھنے میں مگن تھی جب آپی کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔

ابھی کچھ ہی دنوں میں شروع ہو جائیں گے آپی جان۔ امبر یوں ہی ٹی وی کی طرف دیکھتے ہوئے

کہ رہی تھی۔

اچھا،بیٹا پھر تیاری بھی تو کرنی ہے تم ٹی وی دیکھ رہی ہو۔امبر نے گردن موڑ کے نہایت شفیق نظروں سے آپی کو دیکھا۔آپی جب بھی کبھی اسے بیٹا بولتی تھی وہ ایسے ہی دیکھتی تھی محبت بھری نظروں سے۔

کرنی ہے آپی بس یہ ایک ہی ایپیسوڈ ذرا سی رہ گئی ہے۔ٹی وی کی سکرین پر ہیرو ہیروئن کا کوئی جھگڑا چل رہا تھا۔امبر نے کہ کے گردن ٹی وی کی طرف پھیر لی۔صوفے کے پیچھے کھڑی لڑکی بھی ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گئی۔اب وہ دونوں ڈرامہ دیکھنے میں مگن تھیں۔

ہیرو چلا رہا تھا اور ہیروئن آنکھوں میں ڈھیروں شکوے لیے اسے دیکھ رہی تھی۔مگر امبر کا چہرہ اب پہلے جیسا نہیں تھا۔اس کی آنکھوں میں کچھ تھا جو تھوڑی دیر پہلے نہیں تھا۔کچھ ایسا جس سے اس کی آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی تھی۔وہ بظاہر ٹی وی دیکھ رہی تھی مگر حقیقتا وہ کہیں اور پہنچی ہوئی تھی۔

ایک اور سورج ابھر کر ڈوب گیا ایک اور رات آئی اور گزر گئی،ایک اور نئی صبح کا آغاز ہو گیا۔

ہر دن کی طرح یہ دن بھی ویسا ہی تھا، مصروف دن مگر گرم دن، گرمی ہر روز نئے سرے سے بڑھتی تھی۔زندگی ہر روز نئے موڑ لیتی تھی۔ہر کوئی روزی روٹی کی دھن میں مگن نظر آتا تھا ۔سڑکوں پر ہر سورش تھا۔کار،بس،وین، بائیک ہر کوئی بھاگتا دکھائی دیتا تھا۔

یار کل تو میں اللہ کو پیارا ہوتے ہوتے بچا ہوں۔کالج کی وردی میں ملبوس سیاہ آنکھوں والا مرد بولا تھا۔

کیوں ملک الموت کو تو جہنم میں ڈالنے لائق بھی نہ لگا۔سامنے بیٹھے لڑکے نے دانت دکھاتے ہوئے کہا۔اس کے بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔

بی سیریس۔سیاہ آنکھوں والے مرد نے دبے دبے غصے سے سامنے بیٹھے مرد کو گھورا۔کالج ہمیشہ کی طرح آج بھی ویسا ہی تھا۔بچوں سے بھرا ہوا،ہر کوئی خود میں مگن تھا۔

اچھا ہو گیا سنجیدہ میں۔اب بتا ایسا کیا ہوا کل تیرے ساتھ بکھرے بالوں والے مرد نے بالوں کو ہاتھ سے صحیح کرتے ہوئے پوچھا۔

میں کل کال پر تھا،اور میرا ہیڈ فون موبائل سے کنکٹ تھا۔سیاہ آنکھوں والا مرد سامنے بیٹھے مرد

کو دیکھتے ہوئے بول رہا تھا.

کوئی نئی بات بتایہ تو تمہیں روز آتی ہیں۔سامنے بیٹھے مرد نے بیزاری سے منہ جھٹکا جیسے سیاہ آنکھیں روز کا قصہ دہرا رہی ہوں۔

گدھے سنے گا پوری بات تو ہی پتہ لگے گا نہ کہ نیا کیا ہوا ہے۔سیاہ آنکھوں میں غصہ در آیا۔سامنے بیٹھا مرد خاموش رہا۔انداز ایسا تھا جیسے کہ رہا ہو

"بھائی تو بول جتنا بولنا ہے بول"۔

وہ ہیڈ فونز ماں کے کانوں میں لگے ہوئے تھے۔سیاہ آنکھوں نے سامنے بیٹھے مرد کے سر پر بم پھوڑ دیا تھا۔

کیا۔سامنے بیٹھا مرد ایسے اچھلا جیسے کرنٹ لگا ہو۔چند گزرتے طلباء نے اسے حقارت زدہ نظروں سے دیکھا اور آگے بڑھ گئے۔خیر بھوری آنکھوں والے مرد کو ان کے دیکھنے سے کوئی فرق نہیں پڑا اور پڑے بھی کیوں وہ بھی ان کی طرح ہزاروں بھر کر یہاں پڑھنے آتا ہے۔

تو تم مارے گئے,اب کیا ہو گا،تم کالج کیسے آئے،انکل،آنٹی نے آنے کیسے دیا،یا اللہ سلطان اب

www.novelsclubb.com

،اب کیا ہو گا تیرا، ہم سب کیسے رہیں گے تیرے بنا،،،

شٹ اپ، شٹ آپ اگر ایک لفظ اور بکا تو تم نے طلال۔

طلال ایک ہی سانس میں اسے خود بھی نہیں پتہ کیا کیا بول گیا تھا۔ جب سیاہ آنکھوں والے مرد نے غصے مگر دبی آواز سے اس کی بولتی بند کروائی۔

ارد گرد سے گزرتے طلباء مشکوک نگاہوں سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شائد انھیں طلال کی بک بک سنائی دے گئی تھی۔ جبکہ سلطان ان کی طرف سمائل پاس کر رہا تھا۔ مصنوعی مسکراہٹ۔ دوسری طرف طلال کی زبان کو بریک لگ گئی۔

سنو کچھ نہیں ہوا۔ حمزہ کا لہجہ اب کہ کچھ ٹھنڈا تھا۔

طلال اب بھی بنا پلک جھپکے اسے دیکھ رہا تھا۔

مگر تم نے خود ہی کہا نا کہ وہ ہیڈ فونز۔۔۔ طلال آدھی بات بنا کہے خاموش ہو گیا۔ وہ پہلے ہی بہت بول چکا تھا۔

ہاں کہا تھا۔ مگر پوری بات سنو گے تبھی سمجھ آئے گی نہ۔ سیاہ آنکھوں میں ہلکا سا غصہ پھر سے در

آیا۔

اچھا بولو سن رہا ہوں۔ طلال نے بیگ ایک سائڈ پر رکھ دیا اور پاؤں کی قینچی بنا کر ہاتھ سینے پر باندھ لیے۔

اگر ذرا سا غور سے دیکھو تو حمزہ کہ چہرہ پر دبی دبی سی ہنسی تھی۔ ظاہر ہے طلال جیسے بیٹھا تھا کسی کو بھی آجائے۔ اس کا جی چاہا قہقہ لگا کر ہنسے مگر ابھی بات ذرا سنجیدہ تھی سو رہنے دیا۔

حمزہ اب اسے بتا رہا تھا۔ کالج کا گراؤنڈ کہیں دور گم ہونے لگا اور اس کی جگہ کچن کا وہ منظر ابھرنے لگا۔

وہ کچن میں کھڑا تھا، وہ بولنا چاہتا تھا مگر اس کی زبان ساتھ ہی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھنا چاہا مگر قدموں کا بوجھ بڑھ گیا۔

طلال سن رہا تھا اور حمزہ بول رہا تھا۔ اس کی نظریں دور کہیں کسی غیر مرئی نقطہ پر مرکوز تھیں۔

اب وہ اپنی ماں کو بلا رہا تھا۔ مگر ماں نے بعد میں بات کرنے کا کہا۔ اس نے سکھ کا سانس لیا ، قدموں کا بوجھ ہلکا ہوتا ہوا محسوس ہوا، سانسیں جو اکھڑی ہوئیں تھیں نارمل ہو گئیں مطلب وہ

بچ گیا تھا۔ماں نے کچھ نہیں سنا، کچھ بھی نہیں۔

کالج کا گراؤنڈ، طلباء کی ٹولیاں، لمبے چھوٹے درخت پھر سے بننے لگے۔اب کچن کی جگہ کالج تھا۔ حمزہ کی سانسیں اتھل پتھل تھیں۔

طلال اس سارے وقت میں اسے سنتا رہا بنا کچھ کہے اور وہ بولتا رہا۔

حمزہ بات ختم کر کے طلال کی طرف دیکھا۔ بھوری آنکھوں میں سوال تھا۔ سیاہ آنکھیں بوجھ گئیں۔

سورج کی تپش تیز ہو گی درخت کا سایہ اب ہٹنے لگا تھا۔ حمزہ کے آدھے چہرے کا طواف سورج کی کرنیں کر رہیں تھیں جو اس کی پوری آنکھ کو کھلنے نہیں دیتی تھیں۔البتہ طلال قدرے چھاؤنی میں دھوپ کی تپش سے دور زرا پر سکون بیٹھا تھا۔ارد گرد کے طلباء اب اندر کی جانب گامزن دیکھائی دیتے تھے۔ بیل رنگ ہو چکی تھی۔ایک کے بعد دوسرے لیکچر کا آغاز، اساتزہ جلدی میں لمبے لمبے ڈنگ بھرتے ہوئے کلاسوں کی اور جاتے دیکھائی دیتے تھے۔

وہ ہیڈ فونز میں ایسے سونگز لگے ہوئے تھے۔ جن کو مجھے سننے سے ممانعت کی گئی تھی۔ حمزہ نے

لمبا سانس خارج کیا۔

بھوری آنکھوں والے مرد کو قرار نصیب ہوا۔ لیکن اس کی بھوری آنکھیں اب بھی سوال پوچھنا چاہتی تھیں۔

حمزہ اگر کبھی تم پکڑے گئے تو کیا ہو گا۔ آخر بھوری آنکھوں میں جو سوال تھا زبان پر آ ہی گیا۔

میں نے کوئی جرم نہیں کیا طلال۔ خود کو تسلی دی گئی یا طلال کو کچھ جتایا گیا یا پھر اپنے برے عمل کو صحیح کرنے کی کوشش کی گئی کچھ بھی سمجھ نہ آیا۔ البتہ سیاہ آنکھوں میں خوف کی لہر در آئی مگر وہ چھپا گیا۔

طلال نے سر کو ہاں میں جنبش دی۔

حمزہ نے قریب پڑا بیگ اٹھایا، بیگ پر سے نا لگنے والی دھول جھاڑی۔ اس کے ساتھ ہی طلال بھی اٹھ گیا۔

گرلز کیمپس

یہ ہے گرلز کیمپس ہر طرف لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں۔ قہقہے گونجتے ہیں اور آسمان کو چھوتے

ہیں۔ہر کوئی کیفے کی اور بھاگتا دیکھائی دیتا ہے۔چند لڑکیوں کے ہاتھ میں پانی کی بوتل ہے،ایک آدھ منہ پر ہاتھ کا چھجا بنائے کھڑی ہیں۔اس بھیڑ میں سے ہوتے ہوئے اگر تم کیفے کے سامنے گراؤنڈ میں نظر دوڑاو تو تمہیں ہمارے کردار اپنے پورے قد کے ساتھ کھڑے نظر آئیں گے۔ دعا صفدر کے ہاتھ میں سبز رنگ کا پیکٹ ہے جس میں وہ بار بار ہاتھ ڈالتی ہے اور کچھ نکال کر منہ میں ڈالتی ہے۔ساتھ ساتھ اس کی زبان بھی اتنی ہی تیزی سے چل رہی ہے۔جبکہ امبر گیلانی کھڑی کھڑی بس اس کی طرف دیکھ رہی ہے اور ذرا ذرا سا مسکرا بھی رہی ہے۔کھل کر ہنسے گی تو بل بھی تو آئے گا نہ اس لئے فقط مسکرا کر گزارا کر رہی ہے۔اس بھیڑ کو پھلانگ کر اگر ان کے قریب جا کر دیکھیں تو دعا کے ہاتھ میں لیز کا پیکٹ ہے۔جبکہ امبر خالی ہاتھ کھڑی ہے۔

میں تمہارا ایک راز جانتی ہوں۔دعا مورنی آنکھوں کو کبوتر کی مانند چھوٹی کر کے کہہ رہی تھی۔

اچھا۔پر پتہ ہے کیا میرا ایسا کوئی راز ہے ہی نہیں جسے جانا جائے۔امبر نے ترنت دعویٰ کیا۔مگر کیا سچ میں ایسا کوئی راز نہیں تھا۔

جس دن میں نے کھولا نا اس دن تمہاری آنکھیں ایسے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی کہ بند نہیں ہوں

گی۔

ایک اور دعوی مورنی آنکھوں نے کر دیا۔

اچھا ایسا ہے کیا دعا صفدر۔اب کہ امبر ہنسی تھی۔اس کی امبر آنکھیں دھوپ میں مزید سنہری دیکھتی تھیں۔بلکہ امبر آنکھیں زیادہ ہنسیں تھیں۔

جی بلکل ایسا ہی ہے۔مورنی آنکھوں نے اترا کر جواب دیا۔چند لڑکیاں دور کھڑی انھیں دیکھ رہیں تھیں۔وہ ہی جب کوئی کام نہ ہو دوسروں کو دیکھنے لگ جاؤ۔کچھ لڑکیاں گراؤنڈ میں دوڑتی نظر آرہی تھیں۔

اگر تم نے سچ میں کوئی ایسا راز بتا دیا جس کا تم انکشاف کر چکی ہو تو۔

تو کیا امبر بول رہی تھی کہ دعا نے بات بیچ میں ہی کاٹ دی۔مورنی آنکھیں دھوپ میں کئی شیڈ دیتی تھیں۔گہرے سبز،نیلے اور بھورے رنگ کے عجیب سے مگر نہایت دلکش اور خوبصورت شیڈ آتے تھے۔اس کی آنکھیں قدرت کا عکس تھیں۔

تو دعا میں تمہیں ہماری دوستی کے ان اصولوں سے آزاد کر دوں گی جو تم سے دوستی کہ وقت

بنائے گئے تھے۔

کیا۔۔۔۔۔۔۔دعا کی آواز اس قدر اونچی تھی کہ چلتی لڑکیوں نے بڑھتے قدم روک کر ،سیدھی گردن موڑ کر اسے دیکھا۔دراصل ان اصولوں کی وجہ سے وہ دونوں آج تک صحیح سے ایک دوسرے ساتھ کمفرٹ نہیں ہو پائی تھیں۔اس لئے دعا کو ان بے جا اصولوں سے ہمیشہ خار رہی۔

پاگل ہو چیخ کیوں رہی ہو۔

امبر ارد گرد کی لڑکیوں کی نظروں سے زچ ہو کر بولی جو انھیں ہی دیکھ رہی تھیں۔

خوش ہو رہی ہوں۔

مورنی آنکھوں کی چمک ایک سیکنڈ کو سورج کی چمک سے زیادہ ہو گئی۔اسے اصولوں کی پابندی قید لگتی تھی۔

ابھی اتنا خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ابھی تم نے کچھ بھی نہیں بتایا اور نہ ہی کوئی اصول ادھر سے ادھر ہوا ہے، سو ابھی سب کچھ پہلے جیسا ہی ہے۔

www.novelsclubb.com

وقت آنے دو میں سب بتادوں گی۔ایسا بمب پھوڑوں گی نہ تمہیں یقین نہیں آئے گا۔مورنی آنکھوں کی چمک قائم تھی۔اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ اس کے پاس سچ میں کوئی راز ہے اب بس وقت کا انتظار تھا۔

دوسری طرف امبر آنکھیں بھی ہر جزبے سے خالی تھیں۔اس کی آنکھوں میں ایسا کچھ نہ تھا جسے یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ مورنی آنکھوں کی چمک غلط ثابت ہو گی یا دعویٰ حقیقت نکلے گا۔

دو ماہ،دس دن،پانچ گھنٹے،سترہ سیکنڈ ہم ساتھ رہیں گے دعا۔زرا سانس اندر کو کھینچی،وہ ہمیشہ ڈرامائی وقفہ لیتی تھی جب بھی بولتی۔

۔اس کے بعد یہ پنچھی کس پنجرے میں جائیں کسے خبر بھلا۔امبر کی آنکھوں کا تجزیہ نگاروں والا تاثر پھر سے لوٹ آیا۔وہ بول کر خاموش ہو گئی۔

اُوں ہوں ہم ساتھ رہیں گے میرا دل کہتا ہے۔اس لیے تو میں تمہارے اصولوں سے چھٹکارا چاہتی ہوں۔دعا اب پیکٹ کو ساتھ رکھی دسٹبین میں ڈال رہی تھی جس پر بڑے حروف میں لکھا تھا کچرا مجھ میں ڈالیں۔البتہ اکثر لڑکیاں ریپرز کو گراؤنڈ کی زینت بنانا اپنا فرض سمجھتی تھیں

۔

دیکھتے ہیں اگر ساتھ رہے تو دل شاد رہے گا، اگر بچھڑ گئے تو یادوں کی کتاب میں ایک اور باب درج ہو گا۔

امبر بول رہی تھی اور جب وہ بولتی تھی تو فقط سننے کو دل چاہتا تھا۔ گرم ہوا سے اس کا دوپٹہ پیچھے کو سرک گیا۔ پونی ٹیل میں باندھے بال لہرانے لگے کچھ باریک بال جو دوپٹہ میں پہلے قید تھے اب ماتھے پر بکھر گئے اور آنکھوں میں گھسنے لگے۔

کیا دیکھ رہی ہو۔ امبر نے مورنی آنکھوں سے پوچھا جو پچھلے چند سیکنڈ سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

امبر ایک بات بتاؤں۔ مورنی آنکھوں والی لڑکی کسی فسوں زدہ لمحے کے سحر میں بول رہی تھی۔

پہلے کب مجھ سے پوچھ کر بتاتی ہو۔ امبر نے فوراً طنز داغا۔ دعا اب بھی اسے ایک نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔

تم بھلے ہی بہت خوبصورت نہیں ہو مگر تم دلکش بہت ہو۔ اگر کوئی دل والا تمہیں دیکھے تو دل کا سکون کھو بیٹھے۔

امبر کا منہ سرخ ہو گیا۔ غصہ سے ایک بھنوا اوپر کو چھڑھ گئی۔ بس کرو، لگتا ہے لیز میں سستہ پاؤڈر چھڑکا گیا ہے۔ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو۔

یقین نہیں نہ آ رہا۔ مگر کوئی نہیں ایک دن کہو گی دعا صفدر تم نے جو بھی کہا بلکل بجا کہا۔ وہ گردن کو اکڑا کر شانِ بے نیازی سے بولی۔ بریک کا وقت ختم ہونے والا تھا مگر بچوں کا کیفے کی طرف رش نہیں ختم ہوتا تھا۔

مجھے ان فضول چیزوں میں زرا دلچسپی نہیں۔ امبر نے ناک سے نادیدہ مکھی اڑائی۔

دیکھتے ہیں امبر گیلانی مگر یاد رکھنا دعا صفدر تمہارے بارے میں کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔ دعا اسی شان سے بولی۔

ہاں بئ۔ مس صفدر نے تو مجھے حفظ کر رکھا ہے نہ، ہوں۔ رک کر سانس لیا اور پھر وہ زور سے ہنسی دی، نہیں بلکہ قہقہہ لگایا تھا۔ جب وہ ہنستی تھی تو لگتا تھا کائنات اس کی ہنسی کو ذرا ٹھہر کر سنتی ہے، اس کے چہرے کے امپریشنز کو قدرے رُک کر دیکھتی ہے۔

چلو تم ہنسی تو صحیح اس بہانے۔ دعا فوراً بول پڑی۔

www.novelsclubb.com

ظاہر ہے ایسی بونگیاں مارو گی تو کوئی بھی ہنس پڑے گا۔امبر اب مسکرا رہی تھی۔وہ جب بھی ہنستی تھی اس کا منہ گلابی ہو جاتا تھا۔ کھڑی ناک، گلابی ہونٹ، ہلکے گلابی گال بلاشبہ وہ دلکش تھی۔

بیل رنگ ہونے لگی،امبر نے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لیے، بیل کی چنگھاڑتی آواز کان کے پردوں کو ہلانے کی خوب صلاحیت رکھتی تھی۔مورنی آنکھوں نے حقارت زدہ نظروں سے بیل کی اور دیکھا جو دور کالج کی عمارت پر نصب تھی۔

اب وہ دونوں کلاس کی طرف جا رہی تھیں۔اکثر بچے جلدی جلدی کھا رہے تھے، کچھ ابھی بھی کینٹین کی جانب دوڑ رہے تھے، چند ایک دور کولر سے پانی پی رہے تھے۔ہر کوئی خود میں مگن ہر شے سے بے نیاز دستیاب لمحوں کو جیتا نظر آ رہا تھا۔

ان لمحوں کو جی لو جو آج دستیاب ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کل کس نے دیکھی ہے ہو نہ ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆▽☆_____ _____

دوپہر ہوئی، سورج اپنے پورے زور سے چمکا، مگر شام نے اسے آلیا اور ڈھلتے شام کے ڈھلتے سائے دیکھتے دیکھتے تاریکی میں بدل گئے۔پرندے تھک ہار کر گھونسلوں کو لوٹ گئے، روزی کمانے کے لیے صبح کو نکلنے والے گھر لوٹ گئے، نکلتے سورج سے کسی غروب آفتاب تک انتظار کرنے والوں کو وصل کا لمحہ نصیب ہوا۔ہر شے گرم دن کی تھکاوٹ سے تھک کر آرام کی طلبگار تھی۔

میں نے ڈائننگ ٹیبل صاف کر دیا ہے۔اب میں جا رہی ہوں۔یہ دعا کی آواز تھی جو اپنا کام کر کے بلکہ یہ کہنا بہتر ہو گا کہ جان چھڑا کر جا رہی تھی۔کچن میں سنک پر برتن دھوتی مومنہ کی پیٹھ دیکھائی دے رہی تھی۔مطلب وہ اس سے ہی مخاطب تھی۔

وہ کہ کر اپنے کمرے کی اور بڑھ گئی۔کمرے میں موبائل کی سکرین جگمگا رہی تھی۔جو کہ کسی میسج کا سائن دے رہی تھی۔دعا نے بیڈ پر پڑا موبائل اٹھایا۔سکرین کو دیکھ کر اس کے چہرے پر خود بخود آنے والی مسکراہٹ تھی۔شاید وہ اسی میسج کا انتظار کر رہی تھی۔موبائل انلاک کیا اور سیدھا وٹس اپ پر چیٹ کیا۔بنا کسی دیری کے وٹس ایپ کھل گئی اور وہ وہیں بیڈ پر بیٹھ گئی۔

میں نے کل تمہیں دیکھا تھا۔ تم واقعی بہت خوبصورت ہو۔ موبائل کی سکرین پر کھلے چیٹ میں لکھا جگمگا رہا تھا۔ مورنی آنکھیں اپنی تعریف سن کر چمک اٹھیں۔

"اگر کبھی تم اپنے دعوؤں سے مکر گئے تو، تو کیا ہو گا۔"

تعریف کے جواب میں الٹا سوال داغا گیا بلکہ اپنی تسلی کے لئے پوچھا گیا۔ میسج چلا گیا اب وہ بار بار موبائل کی سکرین کو بے صبری سے تک رہی تھی۔ سکرین پر بلیک آئیز ٹائپنگ لکھا آ رہا تھا۔

"تمہاری آرزو کی جا سکتی ہے مگر تمہیں چھوڑا نہیں جا سکتا۔ تم وہ خوبصورت تحفہ ہو جس کو لوگ دعاؤں میں مانگتے ہیں۔"

تسلی مانگی گئی تھی، دینے والے نے ایسے الفاظ تھما دیے جن پر کامل یقین کے سوا کوئی راہ ہی نہ بچتی تھی۔ خیر وہ پڑھ کر مسکرا دی۔ اسے یقین تھا کم از کم وہ سیاہ آنکھیں اسے دھوکا نہیں دیں گی۔ وہ لفظوں پہ یقین کر رہی تھی۔ اسے نہیں پتہ تھا۔ لفظ اگر مرہم ہیں تو لفظ زخم بھی ہیں۔ لفظ جوڑ سکتے ہیں تو لفظ توڑ بھی سکتے ہیں۔ یہ لفظ ہی ہیں جو کبھی زندگی دیتے ہیں تو کبھی موت تک لے جاتے ہیں۔

"سیاہ آنکھوں والے اگر کبھی تم نے حالات کا حوالہ دے کر مجھے چھوڑ بھی دیا تو یاد رکھنا جو مجھے ایک بار کھو دے وہ زندگی بھر کے لیے مجھ سے محروم ہو جاتا ہے۔"

ایک اور میسج سینڈ ہو گیا۔ وہ اسے بتا رہی تھی کہ وہ نایاب ہے۔ اگر ایک بار چلی گئی تو واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ دوسری طرف پھر ٹائپنگ جاری تھی۔ ایک لمحہ اور انتظار کا آیا اور گزر گیا۔ رات سرک رہی تھی۔ چمکتا چاند اس دل کا گواہ تھا۔ گہری رات پر اس کی حالت اور خوف خوب عیاں تھے۔

"گاؤں والی میں محبت کی قدر جانتا ہوں۔"

دوسری طرف سے میسج پھر آ گیا۔ وہ باتوں کا ہیر پھیر خوب جانتا تھا۔ وہ صحیح کہتی تھی وہ لفظوں کا سلطان تھا۔ اب وہ پھر سے ریپلائے کر رہی تھی۔

"شہر والے تمہاری باتوں میں جادو ہے یا پھر شہر کے لوگ ساحر ہوتے ہیں۔"

وہ جب اسے گاؤں والی کہتا وہ بھی پھر اسے شہر والا کہتی۔ ان دونوں کی یہ گاؤں شہر کی عجیب منطق تھی۔

"جادو تو تمہاری ان آنکھوں میں ہے گاؤں والی یا پھر گاؤں کے لوگ آنکھوں سے جادو کرتے ہیں۔"

دوسری طرف سے بھی بھرپور جواب دیے جا رہے تھے۔ کون کس قدر سچا ہے یہ تو چاند کی چاندنی یا رات کی سیاہی کو خوب پتہ تھا مگر وہ خاموشی سے تماشائی بنی ہوئی تھیں۔ کمرے کی دیواروں پر بھی کچھ راز آشکار تھے مگر وہ بھی فلحال چپ کی چادر اوڑھے اپنے مکین کی زندگی میں آنے والے نئے موڑ کا انتظار کر رہی تھیں۔

شہر والے بابو گاؤں والے جادو نہیں کرتے ہاں البتہ وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ انہیں چاہا جائے۔

ایک اور دلیل لکھی گئی اور ساتھ ہی بھیج دی گئی۔ وہ اب بھی ویسے ہی بیٹھی تھی۔ بیڈ سے پاؤں لٹکائے، دنیا سے بے نیاز، خود سے بے خبر ہاں مگر سیاہ آنکھوں والا شخص پوری طرح سے اس کے تصور میں تھا۔

گاؤں والی مورنی کیا شہر کے لوگ چاہنے کے قابل نہیں ہوتے۔

دوسری طرف سے فوراً جواب موصول ہوا۔ خدا جانے شکوہ تھا یا طنز تھا۔ مگر مورنی آنکھیں

مسکرا رہی تھیں۔اب پھر سے ٹائپنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

شہر والے اگر چاہنے کے قابل نہ ہوتے تو میں کیوں چاہتی تمہیں،اور ہاں میں مورنی نہیں ہوں میری آنکھیں مورنی کی آنکھوں سے اور اس کے رنگوں سے مشابہ ہیں۔

(یہ مورنی سی آنکھیں شاید آپ کو ہضم کرنے میں تھوڑا سا مسلہ ہو۔ہو سکتا ہے تھوڑا زیادہ ہو۔ لیکن یہ آنکھیں میرا تصور ہیں۔آپ ان آنکھوں کو ایسے رنگوں سے اپنی imagination کا حصہ بنا سکتے ہیں جیسے رنگ مور کے پروں میں ہوتے ہیں۔کئی رنگ گہرے اور خوبصورت رنگ۔جو میرے خیال میں ہیں وہ آنکھیں بہت خوبصورت ہیں۔اب آپ اپنے خیال کو کس قدر خوبصورت بنا سکتے ہو۔یہ آپ پر انحصار کرتا ہے۔)

ایک اور دلیل بھرپور لفظوں کے ساتھ بھیج دی گئی۔دوسری طرف فوراً سے بھی پہلے میسج سین ہوا اور پھر سے ٹائپنگ شروع ہو گئی۔یہ باتوں کا سلسلے یہ وعدوں کے دور بھی عجیب ہوتے ہیں۔ یہ محبت کا پہلا دور بھی بالکل کسی بچے کی طرح معصوم ہوتا ہے۔جو نتائج کی سوچ بغیر کوئی بھی کھیل کھیلنے کے لیے تیار رہتا ہے۔جسے بس کھیل سے مطلب ہوتا ہے۔انجام کی فکر غیر ضروری

چیز ہوتی ہے۔ محبت میں پہلا وار لفظ کرتے ہیں۔ کیونکہ لفظ ساحر ہوتے ہیں۔ یہ ہمارے دل و دماغ پر ایسے وار کرتے ہیں کہ ہم ان کے چکر سے باہر ہی نہیں نکل پاتے۔ سونے سے پہلے کانوں میں گونجتے ہیں۔ اٹھنے کے بعد پھر سے پہلی آواز بن جاتے ہیں۔ یہ لفظ بھی بڑے ظالم ہوتے ہیں

۔

کیونکہ میں حمزہ سلطان ہوں اور آدھی دنیا میری دیوانی ہے اس لیے گاؤں والی لازم ہے مجھے چاہا جائے۔ اور ہاں یہ مورنی کی آنکھیں کیا ہوتا ہے؟

سلطان اپنے حسن کی وجہ سے جتنا مشہور تھا اس سے کہیں زیادہ وہ مغرور تھا۔ وہ انتہائی سیلف آبسیسڈ آدمی تھا۔ اس ان مورنی آنکھوں کو کے پیچھے کی لوجک سمجھ نہ آتی تھی۔ اب تک وہ جھیل جیسی آنکھیں، غزل جیسی باتیں، پنکھڑی جیسے ہونٹ اور ہرنی جیسی چال تو سن چکا تھا مگر اب یہ لڑکی اپنی آنکھوں کو کیوں مورنی آنکھیں کہتی تھیں۔ اسے اس بات کی اب تک کوئی سمجھ نہیں آئی تھی۔

تو چاہا تو ہے تمہیں حمزہ سلطان اور رہی بات آنکھوں کی تو میری آنکھیں اس دنیا کی حسین ترین

آنکھیں ہیں۔ ہمارے گھر میں ایک مورنی ہوتی تھی مجھے ہمیشہ لگتا تھا کہ میری آنکھیں اس مورنی کی آنکھوں جیسی ہیں۔اس کے پروں کے خوبصورت رنگوں جیسی ہیں۔جو دھوپ میں ہوتے ہیں تو رنگ بدل لیتے ہیں۔اور میری آنکھوں میں کئی رنگ ہیں۔دنیا کے حسین رنگ میری آنکھوں کے رنگ ہیں۔ایک ادا تھی اس کے کہنے میں بھی۔

ایک لمبا جواب مخروطی انگلیوں نے لکھا اور سینڈ کر دیا۔دوسری طرف سے میسج پر دل والا ری ایکٹ کیا گیا۔اس کی ٹانگیں اب شل ہو چکی تھیں،انگلیاں اکڑ گئی تھیں، گردن جو کب سے جھکا رکھی تھی اب درد کرنے لگی تھی۔موبائل سائڈ پر پٹخا پاؤں اوپر کئے اور بیڈ پر لیٹ گئی۔نیند اسے ابھی بھی نہیں آرہی تھی۔کھڑکی سے جھانکتا چاند اب اس کی توجہ کا مرکز تھا۔موبائل پھر سے رنگ کیا،سکرین روشن ہو کے بجھ گئی۔چند لمحے سرک گئے اب اس کی توجہ موبائل پر نہیں تھی چاند خوبصورت تھا،چمکدار تھا،روشن تھا،بے مثال تھا مگر اس سب سے بڑھ کر بھی کوئی خاص تھا۔ہار تھک کر موبائل پکڑ ہی لیا۔میسج کا نوٹیفیکیشن پھر سے جگمگا رہا تھا۔

بھروسہ رکھوان مورنی آنکھوں میں چمکتے قمقموں کو کبھی مانند نہیں پڑنے دوں گا۔تمہارا سلطان

بلیک آئیز والے چیٹ میں لاسٹ اور ریسینٹلی آنے والا میسج یہی تھا۔ جسے پڑھ کر نہ صرف وہ مسکرادی بلکہ آنکھیں موند کر نیند کی دیوی کا ہاتھ پکڑ کر کہیں دور سیر پر بھی نکل گئی۔ کچھ الفاظ اس قدر سکون دیتے ہیں اس بات کا گواہ افق کو روشن کرنے والا آفتاب بھی تھا اور ہر شے کو ڈھانپ لینی والی سیاہ رات بھی جانتی تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ یہ الفاظوں کا ساتھ کب تک رہے گا۔

بھروسہ کر لیا گیا۔۔۔۔۔۔

آنکھوں کی چمک کے نہ بجھنے کا۔۔۔۔۔

گیلانی ہاؤس

ادھر گیلانی ہاؤس میں آو اور دیکھو ہر گھر کی طرح یہاں بھی بلب بجھ چکے ہیں، جو اس بات کا اشارہ ہیں کہ صبح کے تھکے لوگ نیند سے بغل گیر ہو چکے ہیں۔ مگر ایک منٹ اوپر دائیں جانب والے کمرے میں روشنی ابھی بھی جگمگا رہی ہے۔ سیڑھیوں کو پھلانگ کر دائیں جانب والے

www.novelsclubb.com

کمرے میں دروازہ کو بنا آہٹ کے کھول کر جھانکو تو سفید رنگ کے نائٹ سوٹ میں جس پر گلابی رنگ کی تتلیاں ہیں میں ملبوس امبر گیلانی کونے میں رکھے میز پر لیمپ کو جلائے بیٹھی ہے۔اس کے سامنے صفحات کا ڈھیر لگا ہے۔یہاں یہ دیکھنا تو مشکل ہے کہ وہ کیا لکھ رہی ہے مگر ہاں وہ صفحہ پر کچھ لکھتی ہے۔پھر گردن کو نامیں جنبش دیتی ہے۔اور اس کے بعد ورق کو دونوں ہاتھوں سے مروڑ کر فرش پر پھینک دیتی ہے۔

وہ کچھ الجھن زدہ سی نظر آرہی ہے۔اس کے تاثرات ایک تھکاوٹ زدہ انسان سے مشابہ ہیں۔

لمبے کالے بال جو قمر پر بکھرے ہوئے ہیں ہلکی سنہری روشنی میں چمک رہے ہیں۔

یہ لو چائے پیو۔یہ آواز تھی امبر گیلانی کی بڑی بہن کی جو ابھی ابھی کمرے میں چائے کہ بھاپ اڑاتے دو کپ تھامے ہوئے اندر داخل ہوئیں۔

ارے آپ، سوئی نہیں ابھی تک۔امبر نے نیلے کپڑوں والی لڑکی سے کپ پکڑ لیا جس کا دوپٹہ گلے میں جھوم رہا تھا اور بالوں کو ڈھیلے جوڑے میں لپیٹ رکھا تھا۔

ہاں بس سونے جا ہی رہی تھی کہ تمہارے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی۔سوچا تمہیں چائے

دے دوں۔

اب وہ لڑکی بیڈ پر بیٹھ رہی تھی اور امبر رخ موڑ کر ہاتھ میں چائے کا کپ تھامے اسے دیکھ رہی تھی۔

مگر مجھے لگتا ہے آپ کو مجھ سے زیادہ چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ کہتے ہوئے گرم چائے کا گھونٹ بھرا۔

"طلب تو طلب ہوتی ہے امبر پھر زیادہ ہو یا تھوڑی کیا فرق پڑتا ہے۔"

۔ مضبوط دلیل دی گئی۔ کمرے کی خاموش دیواریں چپ چاپ اُن کی گفتگو سنتی رہیں۔ چائے سے اٹھتی بھاپ کمرے کی فضاء میں تحلیل ہو گئے۔

کیا خوب کہا ہے آپ وووو۔ امبر کو خدا جانے کیا مل گیا تھا وہ خوشی سے اچھل پڑی۔ بیڈ پر بیٹھی لڑکی نے اسے ایسے دیکھا جیسے کہ رہی ہو او بہن پاگل کتے تو نہیں کاٹ لیا نا کہیں۔

طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری۔ ہیزل آنکھیں شک سے چھوٹی ہوئیں ماتھے پر چند لکیریں ابھر گئیں۔

پہلے کا تو نہیں پتہ پر اب ہاں میں ٹھیک ہوں بلکہ بہت زیادہ ہی ٹھیک ہوں۔ وہ چائے کا آدھا کپ پی چکی تھی۔ جبکہ لانے والی نے ابھی دو گھونٹ بھی نہیں بھرے تھے۔

اچھا میں تو چلی سونے اور ہاں یہ سارا کا سارا رجسٹر کیوں پھاڑ پھاڑ کر پھینکا ہوا ہے۔ وہ نیچے پڑے ان بد قسمت صفحات کی بات کر رہی تھی جن پر لکھاری کا قلم کچھ چل نہ سکا۔

یہ خراب ہو گئے تھے۔ چائے کا ایک آخری گھونٹ بھرا خالی کپ میز پر رکھ دیا۔

اچھا، چلو کپ مجھے دے دو۔ جانے والی نے خالی کپ کے لیے ہاتھ بڑھایا اور پینے والی نے خالی کپ تھما دیا۔

ویسے چائے بہت کڑک تھی۔ ساری سستی اتر گئی۔ شکریہ۔

کوئی نہیں تم پڑھو۔ بڑی بہن نے کپ تھاما اور چلی گئی جبکہ امبر آنکھوں کا مرکز اب سامنے ہر سو پھیلے ہوئے صفحات تھے۔ اب وہ صفحے پر آنکھوں میں چمک لئے تیز تیز قلم کو گھسیٹ رہی تھی اور رات آہستہ آہستہ سرک رہی تھی۔ چاند بادلوں کے کان میں کچھ سرگوشی کرتا کبھی چُھپ جاتا کبھی نکل آتا۔ بادل رات کی تاریکی میں اس کی سرگوشیوں کو بنا کسی شور کے تحمل سے سنتے رہے

اور وقت ہر شے سے بے نیاز گزرتا رہا یہاں تک کہ سیاہ اندھیرے کو دن کی ہلکی روشنی نے آلیا اور ہر سو اجالا پھیل گیا۔

اندھیرے کو روشنی آلیتی ہے۔۔۔۔۔۔۔

پھر ہر سو اجالا پھیل جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سلطان ہاؤس۔۔۔۔۔۔۔۔

حمزہ، حمزہ بیٹا اٹھ جاؤ کالج نہیں جانا کیا۔ حمزہ کی امی اس ہر ماں کی طرح بستر کی جان چھوڑنے اور کالج کی تیاری کے لیے اٹھا رہی تھی۔ مگر وہ تھا کہ الٹا پڑا ہوا ہاں۔ ہی ہوں کئے جا رہا تھا۔

حمزہ اٹھ جاؤ ورنہ اس جگ میں رکھا سارا پانی تمہارے منہ پر انڈیل دوں گی۔ اس دفعہ امی کچھ زیادہ ہی سیریس ہو گئیں۔

امی اٹھ رہا ہوں، نہ کریں۔ وہ اپنی جگہ سے ایک بالشت بھی نہ ہلا وہیں پڑا بڑبڑاتا رہا۔

امی نے ایک نظر جگ کو دیکھا جو سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا۔ پانی سے آدھا بھرا ہوا تھا اور یہ پکڑا جگ کو اور یہ انڈیلا چھوٹے سلطان کے منہ پر۔

امیییی،،،وہ بستر سے اتنی تیزی سے اٹھا تھا جیسے ادھر سوئچ لگا اور ادھر پنکھا گھومنا شروع ہوا۔

اب وہ شکن زدہ ماتھے سے کان میں گھسنے والا پانی نکال رہا تھا۔ماں کے چہرے پر دبی دبی سی ہنسی تھی۔

امی آپ یہ کام نہ کیا کریں،اب دیکھیں میرے کان میں چلا گیا نا پانی۔وہ روہانسی شکل بنائے سیاہ آنکھوں میں نیند بھرے ہوئے شکوہ کر رہا تھا۔

میں تو یہ کام کروں گی اور لازمی کروں گی ہاں ایک شرط ہے اگر مان جاؤ تو نہیں کروں گی۔

ٹائم سے اٹھنا ہے نا۔وہ ترنت بیچ میں بولا۔

Exactly

اگر تم وقت پر اٹھو گے مجھے کیا ہی پڑی ہے اپنے اتنے حسین بیٹے کو تنگ کرنے کی۔امی کا انداز ڈرامائی تھا۔

ادھر حمزہ پیر پٹختا واش روم میں گھس گیا اور ماں بستر سنگوانے لگ گئی۔ان کو یہیں چھوڑ کر گیلانی ہاؤس کی صبح دیکھتے ہیں۔

www.novelsclubb.com

اڑتے پرندے، دوڑتی گاڑیوں کا شور اور ایک نئی صبح گیلانی ہاؤس پر پورے وثوق سے اتری تھی۔ سورج کی تپش ابھی ذرا کم تھی مگر وقت کے ساتھ بڑھ ضرور رہی تھی۔ ہلکی ہلکی پون چل رہی تھی اور گرمیوں کی صبح میں صبح کی ہوا ہی بس بھلی معلوم ہوتی ہے۔

سرسبز لون میں بیٹھی امبر گیلانی اور اس کے سامنے اس کی ماں بیٹھی تھی۔ وہ دونوں گفتگو میں مگن تھیں۔ اس کی ماں جس نے بڑے بڑے رنگ برنگے پھولوں والا جامنی سوٹ پہن رکھا تھا کچھ کہہ رہی تھی اور امبر سفید سوٹ میں ملبوس نفاست سے دوپٹہ لئے گردن کو ہر بار نہ میں جنبش دیتی تھی۔ ان کی باتیں سنی ہیں تو زرا سا آگے جانا ہی ہوگا یہاں سے صرف ہونٹ ہلتے نظر آسکتے ہیں، گردن کی حرکت دکھائی دے سکتی ہے مگر بات سنائی نہیں دے سکتی۔

تم ہی تو کہتی تھی تمہیں ڈاکٹر بننا ہے پھر اب کیا مسلہ ہے۔ اس کی ماں اس سے کچھ پوچھ رہی تھی شائد کوئی سیریس موضوع ہے۔

ہاں میں کہتی تھی، مگر اب، اب نہیں کرتا میرا دل، مجھے ڈاکٹری نہیں پڑھنی اماں، آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں۔ اس کی ماں اس کے اچانک فیصلہ بدلنے پر بد ظن ہو رہی تھی اور وہ بھی اپنی نہ پر

ڈٹی ہوئی تھی۔

یہ اچانک تمہیں ہو کیا گیا ہے امبر۔اس کی ماں ہر دفعہ اس سے ایک ہی سوال گھما پھرا کر پوچھتی تھی۔

اچانک نہیں ہوا، مجھے نہیں کچھ بھی پتہ مگر میرا دل نہیں کہ میں کوئی بھی ایسا کام کروں جس میں مجھے خوشی نہ ملی، جو مجھے بیزار کر دے، جس کو کرنے آرزو مجھے اپنی اور نہ کھینچتی ہو، جو مجھے تھکا دے، میں ایسا کوئی بھی کام نہیں کرنا چاہتی آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں۔وہ اپنی بات کہ کر خاموش ہو گئی مگر ماں کے چہرے کو التجا بھری نظروں سے تکتی رہی اور ماں اسے یک ٹک دیکھتی رہی۔وہ دونوں چند پل یونہی ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔کئی پرندے پودوں پر بیٹھے اور پھر اڑ گئے، کئی جھونکے آئے اور گزر گئے وقت کی سوئی تھوڑی اور آگے کو سرک گئی کچھ سیکنڈ یونہی بیت گئے۔

تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے۔آخر ماں بول پڑی۔ہلکی ہلکی ہوا سے اِک آدھ پتے اُڑتے ہوئے نیچے گر جاتے اور ٹہنیاں انھیں خود سے جدا ہوتے دیکھتی رہتیں۔

ایسا ہی ہے اور میں اب کالج نہیں جاؤں گی۔وہ ترنت بولی اور فوراً خاموش بھی ہو گئی۔

ایم ڈی کیٹ کی جو فیس بھری ہے وہ اس کا کیا ہو گا۔ماں ہار مان چکی تھی کیونکہ بیٹی ٹھان چکی تھی

۔

میں نے ایک ماہ کی ہی جمع کروائی تھی اور میرا ایک ماہ تقریباً پورا ہو چکا سو اب کوئی مسلہ نہیں ہے

۔اس کے پاس ہر سوال کا فوری جواب موجود تھا۔

اب میں کیا کہ سکتی ہوں، زبردستی تو تمہیں پڑھانے سے رہی۔آخر کار ماں مان گئی امبر کی امبر

آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔واللہ اس نے کر دیکھایا جو وہ نہیں چاہتی وہ نہیں کرتی پھر چاہے

آسمان گر جائے یا زمین پھٹ جائے۔

سیکنڈ ایئر کے پیپیر دینے کے بعد کیا کرو گی تم۔ماں کی فکر ختم نہیں ہو سکتی۔ماں کی نگاہوں میں

شفقت بھرا پیار جھلکتا تھا۔

بی ایس کیا کچھ بھی مگر یہ ڈاکٹری مجھے نہیں کرنی۔

چلو جیسے تمہیں بہتر لگے ماں کہ کر اٹھ گئی اور امبر وہیں بیٹھی کسی گہری سوچ میں غرق ہو گئی۔

امبر ماں نے قدرے فاصلے پر پہنچ کر آواز لگائی۔

وہ سوچوں کے جال سے فوراً باہر نکلی۔

جی ماں۔وہ ماں کی جانب دیکھ رہی تھی۔

آج تو تم نے چھٹی کی ہے تو اب کل سے نہیں جاؤ گی نا۔ماں پھر سے اپنی تسلی کر رہی تھی۔

نہیں ماں اب نہیں جاؤں گی میرے پیپر ہیں نیکسٹ منتھ سے انشاءاللہ اب ڈائریکٹ پیپر ہی دوں گی۔امبر کہ کر خاموش ہو گئی۔ماں گردن کو اوپر نیچے ہلاتے اندر کی اور بڑھ گئی۔

ادھر کالج کی بھوری دیواریں اپنے اندر کئی راز لیے ہر دن کی طرح آج بھی سورج کی بڑھتی تپش سے بغیر کوئی شکوہ کئے خاموش کھڑی تھیں۔ان دیواروں کو پھلانگ کر اندر جائیں اور اپنے کردار کو تلاشتے ہوئے ایک بار اسی بلاک میں جاتے ہیں جہاں ہماری مورنی آنکھیں منتظر ہیں۔

وہ آج کلاس لینے نہیں گئی تھی،اکیلی تن و تنہا ایڈمن بلاک کی سیڑھیوں کے ساتھ بنے ایک کمرے کے بند دروازے کے سامنے بیٹھی تھی۔اصل میں دروازہ گراؤنڈ سے کچھ اوپر تھا اور اس لئے باہر کو کھلنے والے دروازے کے سامنے ایک سٹیپ سیڑھی کی مانند بنایا گیا تھا۔یہاں پر اکثر

بچے بیٹھ جاتے تھے،ان میں زیادہ وہی ہوتے تھے جو چلنا نہیں چاہتے تھے یا پھر جن کے دوست چھٹی پر ہوتے تو وہ وہاں بیٹھ کر سوگ مناتے اور آتی جاتی دنیا کو دیکھتے تھے۔

آج اسی جگہ پر دعا صفدر تشریف فرما تھی۔مورنی آنکھوں میں افسوس،غصہ،بے بسی سب تھا ظاہر جب بندہ اکیلا آجائے اور دوست بنا بتاہے چھٹی کر لے تو پیار تو آنے سے رہا۔

وہ ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھے چپ چاپ بیٹھی تھی یا پھر دل ہی دل میں امبر گیلانی کی مغفرت کے لیے کلمے پڑھ رہی تھی۔

کیا ہوا دعا آج اکیلی وہ تمہاری دوست ہاں امبر نہیں آئی۔

یہ تھی عائشہ یاسین جو کہ دعا کی کلاس فیلو تھی۔گزرتے ہوئے دعا پر نگاہ پڑی تو پوچھ لیا۔

امبر آج چھٹی پر ہے تو بس اس لئے میں یہاں۔دعا اتنا کہ کر خاموش ہو گئی۔

میں بیٹھ سکتی ہوں یہاں۔عائشہ یاسین نے اس سے پاس بیٹھنے کی اجازت چاہی۔

دعا نے گردن کو ہاں میں ہلا دیا۔

وہ ساتھ بیٹھ گئی۔اب اس کی توجہ دعا کی جانب تھی اور دعا سامنے دیکھ رہی تھی۔

ویسے امبر آئی کیوں نہیں۔اب ساتھ بیٹھی ہے تو کچھ بولنا بھی تو ہے۔

پتہ نہیں، میری اس سے بات نہیں ہوئی اور نہ اس نے مجھے چھٹی کے بارے میں بتایا کچھ۔بات کلیئر کر کے وہ پھر سے خاموش ہو گئی۔اسے سمجھ نہیں آتا تھا جس بندے پر غصہ آتا ہے کر کوئی اسی کو کیوں یاد دلائی جاتا ہے۔

اچھا صحیح۔آو کینٹین چلتے ہیں۔عائشہ اٹھ گئی اور دعا ساتھ آنے کی پیشکش کی گئی۔

دعا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

اسے مت دیکھو چلو میں تمہیں کچھ کھلاتی ہوں۔عائشہ دھاری دار بیگ میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔شائد پیسے۔

مورنی آنکھوں میں چمک در آئی دل نے کہا امبر کے بغیر کینٹین کیسے جاؤ گی، دماغ نے کہا نہیں ابھی بھوک ہر شے سے اہم ہے، زبان ذائقوں کے لئے للچائی اور آخر دل پر بھوک سبقت لے گئی اور دعا عائشہ یاسین کے ہمراہ کینٹین کی جانب بڑھ گئی۔

چار ماہ بعد

www.novelsclubb.com

امی میں باہر جارہی ہوں۔دعاصفدر اپنی ماں کو باہر جانے کا بول کر گیٹ سے باہر نکل آئی تھی۔

ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہی سبزہ تھا۔گاؤں کی رونق آج بھی ویسی ہی تھی جیسی کتابوں کے پنوں پر لکھی گئی تھی۔سکون آج بھی گاؤں کی پہلی ترجیح تھا۔شور آج بھی گاؤں کا کچھ نہ بگاڑ سکا ۔پرندے آج بھی گاؤں کی زمینوں کو اپنا کل اثاثہ مانتے تھے۔ہوا آج بھی گاؤں کی میراث تھی ۔شہر چاہے کتنے ہی ترقی یافتہ نہ ہو جائیں مگر ان کی مصنوعی بناوٹ آج بھی گاؤں کے قدرتی مناظر تک نہ پہنچ سکی۔زندگی آج بھی گاؤں میں سانس لیتی تھی۔

دعا چار ماہ بعد بھی ویسی ہی تھی۔مگر اب وہ اکثر گھر سے باہر کھیتوں میں نکل جاتی تھی۔اس کی مورنی آنکھوں میں وہ شرارت ویسی نہیں رہی تھی جیسی چار ماہ پہلے تھی۔اس کا لہجہ اور انداز گفتگو بھی قدرے بدلا بدلا لگتا تھا ہاں خوبصورتی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

نومبر کا مہینہ اور ہوا میں نمی سردی کی آمد کا پیغام دیتے تھے۔

وہ ہر شے سے بے نیاز کچی سڑک پر چل رہی تھی۔نومبر کی ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑے جب منہ پر

لگتے تو دل کو اطمینان سا ہوتا, سارے بدن میں سکون کی لہر تازگی بن کر دوڑ جاتی۔

وہ چلتے چلتے کافی دور آ گئی تھی۔ سڑک پر پھرتے لوگ، کھیلتے بچے اور کام کرتے مزدور ہر سو دکھائی دیتے تھے۔ کھیتوں میں چارہ کاٹتے اکثر لوگ سر اٹھا کر اسے دیکھتے تھے اور پھر سے کام میں مگن ہو جاتے وہ گردن کو زرا سا نیچے کرتی اور مسکرا کر آگے گزر جاتی۔اس کی نگاہوں کا مرکز دور چارپائی پر بیٹھا ایک بوڑھا تھا۔ وہ اب لمبے لمبے ڈگ بھرتی بوڑھے کی اور بڑھ رہی تھی ۔ چلتی ہوا سے گرتے پتے ایسا لگتا تھا جیسے اس کا استقبال کر رہے ہوں۔

اسلام علیکم چاچا۔ دعا نے چارپائی پر بیٹھے ایک عمر رسیدہ شخص سے سلام کیا۔

وعلیکم السلام جیتا رہ میرا بیٹا۔ چارپائی پر بیٹھا ہوا عمر رسیدہ شخص بہت ہی گرم جوشی میں انداز میں اس سے مخاطب ہوا۔ وہ پائینتی والی سائیڈ پر بیٹھ گئی۔ گاؤں والے آج بھی اپنے بزرگوں کا احترام نہیں بھولے تھے۔ جب بھی کوئی بڑا بوڑھا چارپائی پر بیٹھا ہوتا تو چھوٹا احتراماً پائینتی والی سائیڈ پر بیٹھتا۔ گاؤں کے لوگ اگرچہ آج بھی اتنے پڑھے لکھے نہیں ہیں لیکن ان میں وہ شعور موجود ہے جس کے لیے تعلیم حاصل کی جاتی ہے۔

اور سنا گھر پر سب ٹھیک ہے۔ بوڑھا شفقت بھری نگاہوں سے دعا کی جانب دیکھ رہا تھا۔ ساتھ سامنے رکھے حقے سے سوٹے کھینچتا تھا اور دھواں ہوا میں چھوڑ دیتا تھا۔

جی جی چاچا اللہ کا کرم ہے۔ دعا چہرے پر مسکراہٹ لئے یونہی اس شخص کی طرف دیکھ رہی تھی ۔لوگ اپنے کاموں میں مصروف تھے دور کہیں ایک آدمی بھینسوں کو چراتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

چچا میں وہ داستان سننے آئی ہوں جو کل آپ نے شروع کی تھی۔ وہ چچا کو یہاں آنے کا مقصد یاد دلا رہی تھی۔

اصل میں یہ شخص چاچا منیر تھا۔ سارا گاؤں اسے چچا منیر ہی بلاتا تھا اور یہ بچوں کو لوک کہانیاں اور داستانیں سنانے کے لے مشہور تھا۔ دعا بھی یہاں کہانیاں سننے آتی تھی۔

چچا ہنس دیا۔ ہاں پتر کیوں نہیں کہانی نہیں سنائی تو دن کا بھلا کیا مزا کہانیاں تو ہیں جو میرے اکھڑتے سانسوں کو زندگی کی ڈور پھر سے تھما دیتی ہیں۔

شروع کریں۔ چچا نے اجازت چاہی۔ دعا نے مسکرا کر گردن کو اوپر نیچے کیا۔ چچا اب بولنے کے لئے تیار تھا اور مورنی آنکھوں کی ساری توجہ چچا کی جانب تھی۔

تو ہماری داستان تھی ایک شہزادے کی جس کا نام کیا تھا چچا دعا سے پوچھ رہا تھا۔ کیونکہ کل شروعات میں کرداروں کے نام وہ دعا کے گوش گزار کر چکا تھا۔ شہباز دعا فوراً بول اٹھی۔ چہرے پر مسکراہٹ یونہی برقرار تھی۔

بلکل صحیح جواب چچا ہنس دیا۔ لوگ چچا اور دعا کی موجودگی سے بے نیاز اپنے کاموں میں مگن تھے البتہ اب وہاں بچے جمع ہونے شروع ہو چکے تھے۔ یہ روز کا معمول تھا ادھر دعا چچا کے پاس پہنچتی ادھر بچے کہانی کے شروع ہونے کا اشارہ سمجھ کر اکھٹے ہو جاتے تھے۔ اب چچا کی چارپائی پر دعا کے علاوہ دو بچے اور بیٹھ چکے تھے۔

لیکن چچا تسی کل داستان داناں تے دسیائی کوئی نہیں۔ (لیکن چچا آپ نے کل داستان کا نام تو بتایا ہی نہیں) پیچھے بیٹھا ایک بچہ بولا۔

ہاں چچا وہ تو ہمیں بھی پوچھنا یاد نہیں رہا۔ دعا اور دوسرا بچہ ایک ساتھ بولے۔ چچا ہنس دیا۔ وہ جب ہنستا تھا تو سامنے کے دو دانت دکھائی دیتے تھے اور نیچے کے دانت گر چکے تھے جن میں خلا دکھتا تھا۔

ابھی بتاتا ہوں۔ چچا یونہی ہنستے ہنستے بولا۔

تو داستان کا نام ہے الیف لیلا۔

الیف لیلا کے کرداروں کے نام میں نے کل ہی بتا دیے تھے۔ اب کرتے ہیں ہم اپنی داستان کا آغاز۔ چچا بچوں کی طرف دیکھ رہا تھا اور بچے نہایت ہی دلچسپی سے چچا ہی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایران میں ایک بادشاہ رہتا تھا۔ جس کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی۔ لیکن ایک دن اس کو کسی نے مخبری نے خبر دی کہ اس کی بیوی اس سے مخلص نہیں ہے۔ چچا نے رک کر سانس لیا اور ساتھ ہی حقہ سے ایک اور سوٹا کھینچا اور دھواں پھر ہوا میں چھوڑ دیا۔

بادشاہ کو مخبری کی بات پر یقین نہ ہوا۔ اس نے مخبری سے کہا کہ اگر میری بیوی میرے ساتھ مخلص ہوئی تو میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔ مخبری نے بادشاہ کی چنوتی قبول کر لی۔ بادشاہ چند دن اپنی بیوی پر نظر رکھتا رہا۔ پھر ایک دن اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی حقیقت میں اسے دھوکا دے رہی ہے۔ وہی بیوی جو محبت کے دعوی بادشاہ سے کرتی تھی مگر نباہ وہ اس کے چھوٹی بھائی سے رہی ہے۔

دعا کے سینے میں سوئیاں سی چبھی تھیں،اس نے گلے کو تھوک اتار کر تر کیا۔مورنی آنکھوں میں رنج سا چھا گیا۔

چچا جب محبت ہی نہیں کرتی تھی تو پھر دعوے کیوں کیسے تھے اس نے۔دعا نے چچا کو بیچ میں ٹوک کر سوال داغا۔کچھ خدشے کتنے برے ہوتے ہیں ہر بات پر خود کو تسلی دینی پڑتی ہے،ہر مخالف شے پر دلاسہ چاہیے ہوتا ہے۔

انسان کی فطرت میں یہ چیز شامل ہے بیٹا۔وہ کسی نہ کسی حال میں کہیں نہ کہیں اپنے ساتھی کو دغا دے ہی دیتا ہے۔انسان کو ہر شے اچھی سے اچھی چاہیے اور جلد سے جلد چاہیے یہی ایک چیز ہے جس کی وجہ وہ گھاٹے کے سودے کر بیٹھتا ہے اور پھر اسے جو حاصل ہوتا ہے وہی خسارے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

دعا کی سانسیں خشک ہونے لگی تھیں۔یہ چچا نے کیسی بات کر دی۔پچھلی ہر کہانی میں تو دھوکا نہیں تھا ان کے کردار تو باوفا تھے۔اس کے من میں ایک ساتھ کئی سوال اٹھتے تھے مگر جواب ندارد تھا۔اس کی آنکھیں آج ویسی نہیں تھی جیسی ہمیشہ ہوتی تھیں۔کچھ تھا جو ان میں بجھ سا گیا

تھاہاں ان میں اک لہر تھی اور وہ خوف کا پتہ دیتی تھی، وہ پڑھنے والے کو بتا سکتی تھی کہ من میں کیا چل رہا ہے۔

چچا کہانی پھر سے شروع کر چکا تھا شام کے سائے قریب آنے کو تھے۔ گاوں والے شام کا کھانے جلد کھاتے تھے، بعض گھروں سے دھواں اٹھ رہا تھا جو کھانوں کی تیاری کا پتہ دیتا تھا۔ اب ذرا دیر بعد موٹر سائیکلوں کی آواز آتی تھی۔ اس وقت گاؤں کے گوالے دودھ لینے گھر گھر جاتے تھے جہاں بھی بھینسیں ہوتیں اور پھر صبح صبح شہر والوں کو پہنچاتے تھے۔

چچا روٹی کھالیں۔ ایک عورت نے دور سے چچا منیر کو آواز لگائی۔ دعا چونک پڑی وسوسوں کا جال ٹوٹ گیا۔ چچا آپ کھانا کھالیں ہم صبح یہیں سے شروع کریں گے۔ بچے اٹھ کر بھاگ گئے۔

چنگا پتر۔ چچا منیر نے دعا کو پیار دیا اور کچے مکان کی اور چلنے لگا۔ دعا سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اب واپس اپنے گھر کی طرف چل دی۔

دوسری طرف گیلانی ہاؤس آج بھی ویسا تھا ہاں گزرے چار ماہ نے اس کے سفید رنگ پر کچھ اثر ضرور کیا تھا مگر باقی سب ویسا ہی تھا وقت گزرا تھا لوگ وہی پرانے تھے۔ امبر آج بھی ویسی ہی

تھی۔اس کی امبر آنکھوں میں آج بھی آسمان بستا تھا۔دیکھ کر کچھ بھی اندازہ لگانا ناممکن تھا۔مگر ان چار ماہ نے اس پر کئی راز آشکار کئے تھے۔

کالج چھوڑنے سے دو دن قبل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

میں صبح سے کالج نہیں آؤں گی دعا۔دعا اور امبر دونوں کولر کے پاس کھڑی تھیں،آسمان پر آج بادلوں کا راج تھا،ہوا بھی ٹھنڈی اور دل کو لبھانے والے تھی جو ہر ذی روح کے لئے خوشی کا باعث تھی۔ گرمی میں بادلوں کا چھانا،سردی میں دھوپ کے نکلنے جیسا ہوتا ہے جس کے لیے ہمیشہ دعا کی جاتی ہے۔مورنی آنکھوں میں خوشیوں کا سماں تھا۔اسے دھوپ سے خار تھی سو آج بادل دل کو بشاش کئے دیتے تھے۔

اچھا مذاق ہے۔دعا ماننے کو تیار ہی نہیں تھی۔

I'm serious Dua Safdar.....

امبر کا لہجہ قدرے سنجیدہ ہو گیا۔وہ جب بھی دعا کا پورا نام لیتی تو مطلب بات سچ میں سنجیدہ ہے۔

پر کیوں امبر۔مورنی آنکھوں میں گلہ تھا۔

میں یہ ایم ڈی کیٹ نہیں کرنا چاہتی۔پھر آنے کا کیا فایدہ۔۔وہ دعا کی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہی تھی۔

میرا کیا ہو گا۔دعا کا انداز دل پہ لگنے والا تھا۔مورنی آنکھوں میں التجا تھی۔

کوئی ہمیشہ کسی کہ ساتھ نہیں رہتا دعا ایک دن تو سب الگ ہونا ہی ہوتا ہے۔وہ اسی رکھائی سے بولی۔ثابت ہوا امبر کی آنکھیں ہی نہیں اس کا دل بھی جذبوں کی دنیا سے ناآشنا تھا۔

ہوں صحیح جانے والے کو روکا نہیں جا سکتا سو میں تمہیں نہیں روکوں گی۔دعا کے گلے میں آنسوؤں کا پھندا اٹک گیا مگر آنکھوں میں نہ آئے۔اب وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر تھوڑی رو سکتی ہے۔

امبر مسکرا دی۔کالج کو کسی کے چھوڑ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑنے والا تھا۔اس کی عمارت عادی ہو چکی تھی ہر روز کوئی نیا آتا اور کتنے ہی لوگ چھوڑ کر چلے بھی جاتے سو انھیں اس جذبوں سے عاری لڑکی کے جانے سے کونسا فرق پڑنے والا تھا۔

میں تمہیں وہ راز بتادوں۔دعانے اجازت مانگی تھی۔

امبر نے گردن ہاں میں ہلادی۔مطلب جو چاہے کہو آج کہ دن تم پر امبر گیلانی کوئی اصول لاگو نہیں کرے گی۔

امبر تمہارا مشاھدہ وسیع ہے،تمہاری سوچ گہری ہے،تم ہماری طرح ماحول کو فقط لطف اندوز ہونے کئے لئے نہیں دیکھتی،تم لوگوں کو ویسے نہیں دیکھتی جیسے باقی سب دیکھتے ہیں۔امبر گھبرا گئی جس سے وہ چار سالوں سے بھاگ رہی تھی اسے شبہ گزرا وہی بات مورنی آنکھوں نے پرکھ لی۔

تم یہ کیسی باتیں کر رہی ہو۔میں کوئی مریخ سے آئی مخلوق لگتی ہوں تمہیں کیا۔امبر اپنی گھبراہٹ چھپا کر بولی۔

تم کہانی بُن نے سے بھاگ رہی ہو نا،جبکہ تم ایسی کہانیاں گاٹھنے کی صلاحیت رکھتی ہو جو پرت در پرت کھلتی ہوں۔جس کی ہر لائین میں تجسس ہو۔جو چول در چول جڑی جڑی ہوئی ہوں۔لیکن تم کسی شے سے بھاگ رہی ہو۔سوال کے بدلے سوال کیا گیا۔

تم کیسے جانتی ہو۔ حقیقت تسلیم کر لی گئی۔

تمہارے اندر کا لکھاری چاہتا ہے تم لکھو مگر تم ایسا کرنے سے قاصر ہو۔آج دعا کے بولنے کا دن تھا امبر کے لئیے انکشافات کا وقت تھا۔

میں تھک چکی ہوں خود سے لڑ لڑ کر مگر

مگر تم ہاری ابھی ابھی نہیں بس خوف زدہ ہو۔دعا دوبدو بولی۔امبر حیران تھی اس کی آنکھیں دھوپ سے نہیں حیرانی سے چندھیا رہی تھیں۔

تمہیں اتنا کچھ پتہ ہے تو پہلے کبھی کیوں نہیں۔امبر کا لہجہ میں دھیرج تھی۔

تمہیں خوف ہے، خوف ہے اس بات کا کہ اگر تم نے ایک بار یہ سفر شروع کر لیا تو آخر تک تمہیں اس سے وفا نبھانی ہو گی۔امبر کی بات پر دھیان نہیں دیا گیا البتہ اپنی پیش گوئیاں جاری رکھیں۔

یہ سب ٹھیک ہے دعا مگر اس سب سے بڑھ کر ایک چیز ہے جو میرے قلم کی نوک کو آگے بڑھنے سے روک دیتی ہے۔کالج کا سماں ویسا ہی تھا، ٹھنڈی ہوا بھاگتے کالے بادل سب دل

فریب تھا۔

وہ یہ ہے کہ اگر تم نے کبھی کچھ ایسا لکھ دیا جو پڑھنے والے کے دل پر لگ گیا تو، تو کیا ہو گا۔ تمہارا مسلہ وہ لوگ ہیں جو ابھی تمہیں پڑھتے بھی نہیں جن کی ہوا کو بھی نہیں پتہ کہ کوئی امبر گیلانی ہے جو ان کے لئے لکھنا چاہتی ہے مگر وہ اس بات کو لے کر خوف ور جا میں مبتلا ہے کہ آیا وہ اپنے قارئین کو صحیح مواد، اچھی معلومات، ادب و آداب سیکھا پائے گی۔ کیا وہ بہتر ادب آموز بن پائے گی۔

دعا نے اپنی بات مکمل کر کے ایک گہرا سانس لیا، شائد وہ آج بہت بول لی تھی۔ دنیا سمجھتی ہے ادب و قرینہ سے مورنی آنکھیں نہ واقف ہیں مگر لوگ جو اندازہ لگاتے ہیں لازم نہیں پیڑ میں اتنے ہی پتے ہوں۔

امبر نے کبھی خوابوں میں بھی نہ سوچا تھا کہ وہ ہر وقت بک بک کرنے والی دعا صفدر اس کی دل کی دعا کو بوجھ لے گی، اسے ایسے کھڑے کھڑے لاجواب کرے گی۔ ہوا ایک جھونکا جو قدرے تیز تھا اور ان دونوں کے سر سے دوپٹہ کو سرکا گیا۔

میرے کہنے کو کچھ بچا نہیں مگر ہاں ایک بات جو میں کب سے پوچھ رہی ہوں تم نے بتائی نہیں۔

اب وہ دونوں تھڑے پر پر ٹہل رہی تھی۔امبر بول کر خاموش ہو گئی۔

ان مورنی آنکھوں کو سب دکھتا ہے امبر گیلانی۔لازمی ہے جو پتہ ہو اس کا چرچہ بھی کیا جائے۔

امبر زرا دیر بعد بولی۔مگر وہ لاجواب تھی اس نے کبھی نہیں سوچا تھا موج مضطر میں رہنے والی وہ لڑکی اس قدر باریک فہم نکلے گی۔

امبر کچھ نہ بولی،امبر آنکھیں آتی جاتی لڑکیوں کو دیکھ رہی تھیں اور موج باریک ان کے بال لہرانے میں مگن تھی۔

تم جب روز کالج آتی تھی تو تمہاری آنکھیں ایک روداد سناتی تھیں۔دعا صفدر نے بولنا شروع کر دیا کہانا آج اس کا دن تھا سو آج وہ بولے گی۔امبر پر حیرانی کے سارے پہاڑ آج ہی ٹوٹنے تھے۔

تمہارے ہاتھوں پر لگی سیاہی اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہوتی تھی کہ تم لکھتی رہی ہو۔

تمہارا لوگوں کو دیکھنے کا انداز بیان کرتا تھا کہ تمہارا ذہن کہانی کے کرداروں کو ترتیب دے رہا ہے۔

تمہاری اس عمر میں سنجیدگی چیخ چیخ کر کہتی تھی کہ تمہارے اندر کوئی سرگرداں ہے۔

ہر بات ایک ہی طرف اشارہ کرتی تھی کہ تم ایک لکھاری ہو۔ تمہارا نہ لکھنا بتاتا تھا کہ تم خوف زدہ ہو۔ وہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔

امبر رک گئی دعا جو چند قدم آگے جا چکی تھی مڑ کر پیچھے رہ جانے والی کو دیکھا اس کی نظروں میں سوال تھا۔ امبر نے ہاتھ پھیلا دیے۔ وہ دل سے مسکرا رہی تھی۔

امبر آنکھوں میں پیار کا جہان تھا۔ آج امبر آنکھوں میں افق کی مانند خلا نہ تھا بلکہ جھلکتی محبت کی لہر تھی۔

دعا اس کے گلے لگ گئی۔ کتنے شکوے تھے جو ختم ہوئے، کتنے فاصلے مٹ گئے، کتنے گلے رد ہو گئے۔۔ وہ دونوں گلے لگی ہوئیں تھیں۔ آس پاس سے گزرتی لڑکیاں انھیں ایک نظر دیکھتیں اور گزر جاتیں مگر کالج کی بھوری عمارت ٹھہر کر پر سکون سی کھڑی انھیں دیکھ رہی تھی۔ یہ عمارت گواہ تھی اس جگہ کتنوں کی دوستیاں ٹوٹیں اور کتنوں کی دعا اور امبر کی طرح شفاف ہو گئیں اس سے بڑھ کر وہ بھوری عمارت کچھ اور بھی بھانپ چکی تھی مگر وہ خاموش تماشائی بنی رہی

نہیں وہ کبھی نہیں بتائے گی جو اسے معلوم ہو چکا تھا۔

آج تم ہر اصول سے آزاد ہو۔ جاؤ خوش ہو جاؤ کیا یاد کرو گی۔ امبر شان بے نیازی سے گویا ہوئی بال پیچھے کو اڑسے۔

دعا کھلکھلا کر ہنس دی۔ امبر نے بھی ساتھ ہی قہقہ لگایا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔ کتنی ہی یادیں تھیں جو ایک ساتھ خیال بن کر ابھریں تھیں۔

دعا کا کلاس میں کسی سے جھگڑا ہو رہا تھا۔ امبر کمرے میں آئی اور دعا کا ساتھ دینے لگی۔ حتیٰ کہ اس نے دعا سے صحیح غلط بھی نہ پوچھا۔ اس کے لیے یہ بات کسی اعزاز سے کم نہ تھی۔ کسی کا آپ کا ساتھ دینا کسی کے لیے کچھ ہوتا ہو گا لیکن دعا کے لیے بہت کچھ تھا۔ کبھی کبھی کچھ ہمارے لیے دھیرے دھیرے سب کچھ بن جاتا ہے۔

یہ منظر ہٹنے لگا تو ایک اور منظر ابھرنے لگا وہ دونوں یونہی ایک دوسرے کو تکتی رہیں۔

امبر کولر کے سامنے کھڑی تھی، رش بہت تھا، اسے پیاس بھی بہت لگی تھی کہ پیچھے سے کسی نے

پانی پھینکا۔ ٹھنڈا پانی امبر نے جھٹکے سے گردن موڑی دعا پانی کی بوتل اس کی طرف بڑھائے کھڑی تھی۔امبر نے بوتل پکڑی اور غٹا غٹ پانی پی گئی۔

ایک اور یاد خیال بن کر گزرتے وقت پر چھانے لگی۔

امبر جھلستے سورج کی بڑھتی دھوپ میں گیٹ پر کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی۔زرا دیر بعد وہ آئی تو امبر اس پر ٹوٹ پڑی۔وہ امبر کا غصہ دیکھ کر زور زور سے ہنس دی۔

دھوپ سے منظر بغیر شام میں ڈھلے رات میں اترنے لگا۔

کالج میں بون فائر تھا۔سب انتظاموں کے ساتھ ساتھ ڈی جے کا بھی بھرپور انتظام کیا گیا تھا۔ بڑے بڑے سپیکر رکھے تھے۔وہ دونوں میز کے نیچے سے تار میں چھیڑا خانی کرنے میں لگی ہوئیں تھیں۔یہاں تک کہ تار میں مسلہ ہو گیا۔اب ڈی جے والے کو گانا پلے کرنے کا بول رہے تھے وہ بیچارا گھبرایا ہوا بار بار ڈیگ کے بٹن دباتا تھا مگر بے سود۔دور کھڑی وہ دونوں پیٹ پکڑے ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہی تھیں۔

دھول چھٹنے لگی، قوس قزح کے سب رنگ غائب ہونے لگے کالج کی عمارت خیالوں پر غالب

آنے لگی اور الوادعی وقت کی گھنٹی بجنے لگی۔

وہ دونوں ایک ساتھ خیالی دنیا سے باہر آئیں۔ لڑکیاں اپنے بیگ سنبھالے جا رہی تھیں۔ چھٹی ہو گی تھی۔ وہ دونوں بھی گیٹ کی طرف بڑھنے لگی۔ گیٹ پر پہنچ کر وہ رک گئیں۔ اب وہ بغل گیر ہو رہی تھیں۔ دعا کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ کوئی دعا سے پوچھے دوست کا جدا ہونا کیا ہوتا ہے۔ ہاں امبر کی آنکھیں ویسی ہی تھیں، خالی آسمان کی طرح ہر جزبے سے عاری۔ دعا وہیں کھڑی امبر گیٹ سے باہر چلی گئی۔ دعا اب بھی سحر زدہ تھی اسے تو اب اکیلے ہونے کا خوف ڈرائے جا رہا تھا۔

دن اس کے لیے آسان نہیں تھا۔ یہ آغاز تھا ایک نئے سفر کا، ایک ایسے سفر کا جس کی زمہ داری بھاری تھی اور جسے نبھانا ہر لکھاری کا فرض ہوتا ہے۔ دقیق تو یہ تھی کہ اسے اب جو بھی لکھنا تھا اس کی پڑتال بھی خود کرنی تھی، اپنے لکھے پر خود ہی غور و فکر کرنا سب سے اہم کام ہے اور یہی سب سے مشکل ہے مگر وہ تیار تھی ایک نئے سفر کے لئے، ایک نئے آغاز کے لئے، جنون کی اک نئی پرواز کو بھرنے کے لئے وہ تیار تھی۔ ہاں وہ ہر شے سے بے خوف ہو کر اب لکھے گی۔ یوں

اس پر اس دن کئی راز آشکار ہوئے جن میں ایک اس کے لکھاری ہونے اور پھر نہ لکھنے کی وجہ جاننے کا تھا۔دوسرا جو وہم و گمان میں بھی نہ تھا وہ تھا مورنی آنکھوں کا باریک بین ہونا۔اس نے تو کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا کہ وہ سر پھری سی دکھنے والی دعایوں اسے حیران بلکہ نہیں پریشان بھی کر دے گی۔خیر اسے آج ایک بات تو معلوم ہو گئی تھی ہم اگر ساری زندگی بھی کسی کے ساتھ گزار دیں نہ تب کسی کو مکمل نہیں جان سکتے۔انسان ایک ایسا راز ہے جس کی کئی کڑیاں ہیں جن میں کچھ تو وقت کے رہتے مل جاتی ہیں اور ہمارے سامنے آجاتی ہیں اور کچھ انسان خود دوسرے پر آشکار کر دیتا ہے اور اکثر کڑیاں کبھی نہیں ملتیں اور وہ انسان کے ساتھ ہی اس دنیا سے رخصت ہو جاتی ہیں۔

www.novelsclubb.com

خیر وہ سر جھٹک کر اپنی بس کی اور بڑھ گئی۔

حال۔۔۔۔۔۔

امبر اپنے کمرے میں بیٹھی کاغذوں کا ڈھیر سامنے پھیلائے لکھنے میں مشغول تھی۔اس کا کمرہ اب پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ان چار ماہ میں بچھونوں کے علاوہ بھی بہت کچھ بدل ہوا تھا۔پہلے سفید

دیواروں پر صرف ایک پینٹنگ تھی جس پر سفید رنگ تھا اور ساتھ کئی اور رنگ بکھرے ہوئے تھے جو دیکھنے والے کو ایسا محسوس کرواتے تھے۔ جیسے سفید کپڑے پر کئی نادیدہ رنگ یوں ہی بکھر گئے ہوں۔ مگر سفید تو سفید ہے اس پر جو بھی لگے گا نظر تو ضرور آئے گا۔ وہ پرانی پینٹنگ بلاشبہ آج بھی موجود تھی۔ جو کے درمیان میں رکھے بیڈ کے عین پیچھے دیوار پر لگی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ بھی دیوار پر اب کئی خوبصورت اور نئی قسم کی پینٹنگز لگی ہوئیں تھیں۔ جن پر کئی قول لکھے ہوئے تھے۔ بیڈ کے سامنے والی دیوار پر ایک شیلف بھی بن چکی تھی جس میں مختلف مصنفین کی تقریباً آٹھ سو کے لگ بھگ کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔

دیوار پر لگی پینٹنگ کے علاوہ اگر تم زرا سا غور کرو تو ایک شے اور ہے آج بھی ویسی ہی ہے جیسی چار ماہ پہلے تھی اور وہ ایک میز پر گردن جھکائے بیٹھی ہوئی لڑکی کی ڈریسنگ، اس کا پہناوا آج بھی ویسا تھا سفید قمیض کے ساتھ کھلی سی شلوار جو نہ زیادہ کھلی تھی اور نہ ہی تنگ، اسے سفید رنگ پسند تھا اور کتنا پسند اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے اس کی کبڑ میں رکھے تمام سوٹ سفید ہیں۔ ہاں ایک آدھ کی شلوار کا رنگ مختلف ہے مگر کرتے سب ہی تقریباً سفید ہیں۔ دائیں

جانب لگی ہوئی کبڑ جس کے پٹ آدھے کھلے ہیں جو کہ ڈیزائن ہی ایسے کئی گئی ہے،اس میں سے جھانکتے کپڑے اس کی پسند خوب بیان کرتے ہیں۔

وہ لکھ رہی ہے اور تمہیں سن کر حیرانگی ہو گی کہ وہ پچھلے چار ماہ سے لکھ رہی ہے۔وہ کھڑکی کے سامنے ٹیبل پر پڑے سفید کاغذ پر پینسل گھسیٹ رہی ہے،ہر شے سے بے نیاز،اپنے حلیے سے بے پرواہ،خیالوں کے جہاں میں گم،خوابوں کی دنیا کو حقیقت کا رنگ اڑھانے میں سر گرداں ہے۔

امبر،ایک نسوانی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو گردن اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔

دروازے میں اس کی بڑی بہن کنزہ گیلانی کھڑی تھی۔

جی،وہ تسویش بھرے انداز میں بولی۔

کھانا لگ چکا ہے۔کنزہ نے اطلاع دی۔

تھوڑی دیر انتظار نہیں کیا جا سکتا۔منت سماجت والا لہجہ تھا۔

اب وہ دروازے سے تھوڑا آگے امبر کے قدرے پیچھے کھڑی تھی۔

سبز رنگ پہنے،بال کمر پر گرائے،ہلکے گلابی ہونٹ وہ پتلی سی لڑکی حسین لگتی تھی۔

امی کب سے ٹیبل پر بیٹھی ہیں، کتنا لکھو گی بس کرو پھر لکھ لینا۔انتظار والی بات رد کر دی گئی۔

میری لکھائی کو کچھ مت کہا کریں اچھا چلیں، امبر نے روٹھنے والے انداز میں کہا۔

اچھا بابا نہیں کہتی چلو بھی۔وہ اس کی کلائی کو پکڑ کر گھسیٹنے والے انداز میں اسے باہر لے گئی۔

قلم کاغذوں پر دھرا رہ گیا۔ تخلیق ہونے والی دنیا وہیں ٹھہر گئی۔

تخلیق خالق کی مرہونِ منت ہے۔

ΔΔΔΔΔΔΔΔΔΔ

سلطان ہاؤس

سلطان ہاؤس آج بھی اپنی پوری شان و شوکت سے کھڑا تھا۔وہ سلطان کے سلطان ہونے کا پتہ دیتا تھا۔دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ سورج کی ہلکی دھوپ میں چمکنے والا سفید پینٹ جو آنکھوں کو چندھیا دیتا تھا کچھ دن قبل ہی کیا گیا ہے۔کالونی میں قدم قدم پر گھر تھے۔لوگ آتے جاتے دیکھائی دیتے تھے۔کئی لوگوں کے ہاتھ میں سبزی کے تھیلے تھے، کچھ نے بیگ تھام رکھا تھا، ہر

کسی کے اپنے مسلے ،اپنے کام تھے،ان سب کے درمیان سامنے سے نظر آتے سلطان ہاؤس کے ٹیرس پر چھوٹا سلطان موبائل کو کان سے لگائے کسی سے باتوں میں مصروف تھا۔اس کے ٹہلنے اور ہاتھوں کے اشاروں کو دیکھ کر لگتا تھا وہ کسی کو ہدایت دے رہا تھا،اس کے بر عکس وہ کچھ جھنجھلایا ہوا لگتا تھا۔ شکن زدہ ماتھا، چڑھی ہوئی بھنویں، بلاشبہ سیاہ آنکھوں والا مرد غصے میں تھا۔ اس نے غصے سے کال کٹ کر دی، بکھرے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور اندر کی جانب چل دیا۔

کس سے بات کر رہے تھے۔کمرے سے نکلتی عورت نے پوچھا۔جو سر پر نفاست سے دوپٹہ اوڑھے ہاتھ میں تسبیح پکڑے ہوئے تھی، شائد نماز ادا کر کے آ رہی تھی۔

کسی سے نہیں۔وہ بس آج کل ایڈمیشنز کے لئے اپلائے کر رہا ہوں تو بس اسی سلسلے میں ایک دوست سے پوچھ رہا تھا۔

سامنے کھڑی عورت نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلا دیا۔

امی ایک کپ چائے تو دیجیے گا۔ سر درد سے پھٹ رہا ہے میرا۔وہ کنپٹی کو سہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا ۔سیاہ پینٹ پر سیاہ شرٹ پہنے بکھرے بالوں میں وہ حسین و جمال لگ رہا تھا۔وہ صحیح کہتا تھا وہ

حسن کا سلطان تھا،اس دور کا حسن حمزہ سلطان پر آکر ختم ہو جاتا تھا۔

ماں سر کو ہاں میں۔ جنبش دے کر سیڑھیوں کی اور بڑھ گئی ان کا رخ نیچے کچن کی جانب تھا۔

وہ اپنے کمرے میں بیٹھا سر نیچے جھکائے آنکھیں موبائل میں گاڑھے کسی کام میں مصروف تھا۔

کمرہ صاف ستھرا تھا،بس بیڈ کی چادر پر سلوٹیں پڑی ہوئیں تھیں جس کا مطلب تھا وہ کچھ دیر پہلے بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔

کمرے کی دیواروں پر سفید پینٹ کیا گیا تھا۔البتہ بیڈ کے پیچھے والی دیوار پر ہلکا بھورا رنگ ہوا تھا ۔اور اس کی ایک بڑی ساری تصویر اسی دیوار پر ٹنگی ہوئی تھی۔جو عمدہ قسم کے پوز بناتے ہوئے لی گئی تھی۔کمرے کی دائیں دیوار پر کھڑکیاں تھیں جن پر بڑے بڑے پردے جو کہ دیوار کے رنگ سے میل کھاتے تھے لٹکے ہوئے تھے۔بیڈ کے عین سامنے والی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے ایک قد آور آئینہ کھڑا تھا۔جس پر مختلف برینڈز کی مختلف پرفیومز رکھی ہوئیں تھیں۔

کمرے کے ایک کونے میں سٹڈی ٹیبل رکھا ہوا تھا جس پر کتابیں،لیپ ٹاپ اور سیاہ رنگ کا بیگ دھرا ہوا تھا۔

کمرے کا مکمل جائزہ لینے کے بعد اگر دوبارہ حمزہ سلطان کو دیکھو تو اس کی گردن اسی طرح نیچے کو ڈھلکی ہوئی ہے۔ موبائل اب بھی اس کے ہاتھ میں ہے۔ جس کی سکرین پر وہ اپنی پوری توجہ سے کوئی کام کرنے میں مصروف ہے۔

ہیلو۔ ابھی وہ کسی شے کو پڑھ رہا تھا کہ کال بجنے لگی۔

اچھا شام میں ملتے ہیں۔ دوسری طرف شاید نہیں یقیناً کسی نے ملنے کے لئیے کہا تھا۔ اس کا ماتھا شکن زدہ تھا۔

بات سنو اچانک ایسے ملنے کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔ اس کی چہرے کو دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ کچھ جاننے کے لیے متجسس ہے۔

چلو جیسے تمہاری مرضی۔ اس نے اتنا کہہ کر کال کاٹ دی شاید دوسری جانب والے شخص نے وجہ بتانا پسند نہیں کیا۔ البتہ وہ موبائل بیڈ پر پھینک کر اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے کے اندر ایک سفید رنگ کے دروازے کے پیچھے غائب ہو گیا جو کہ یقیناً واشروم کا دروازہ تھا۔

وہ دونوں ایک ریستوران میں بیٹھے تھے۔ کئی فیملیاں لنچ کر کے جا رہی تھیں۔ اکثر لوگ کافی آڈر

www.novelsclubb.com

کر رہے تھے۔یہ ایک تھیمڈ ریستوران تھا،اس کا اندرونی رنگ گہرا بھورا تھا،دیواروں پر جگہ جگہ گہرے سبز رنگ سے نقوش بنائے گئے تھے۔ایک جگہ دیوار پر پرانا درخت پینٹ کیا گیا تھا۔ جس سے پتے بے وفائی کر چکے تھے۔مگر وہ اب بھی کھڑا تھا۔جیسے بتانا چاہتا ہو،اگر کوئی چھوڑ جائے تو گر نہیں جایا کرتے۔خود کو اتنا بے مول نہیں کرتے۔کہ کوئی آئے اور تمہیں ڈھا کر چلا جائے۔اگر تم باقی ہو تو سب باقی ہے۔ریستوران میں دیوار کے دونوں جانب میز اور صوفوں کی لمبی قطاریں تھیں۔اور ہر میز کے دونوں طرف ایک،ایک سیٹر صوفہ تھا،ہر صوفے کے پیچھے ایک بھورے رنگ کی چھوٹی سی دیوار کھڑی تھی،جو ایک میز کو دوسرے میز سے نا صرف الگ کرتی تھی،بلکہ ایک میز سے دوسرے میز پر بیٹھنے والے لوگوں کے درمیان پردے کا کام بھی کرتی تھی۔یوں پرائیویسی کا خیال رکھتے ہوئے یہ ایک عمدہ ریستوران تھا۔

ان دیواروں سے زرا اٹھ کر جھانکو تو تمہیں حمزہ سلطان کی پیٹھ دیکھائی دے گئی،اور اس کے سامنے بیٹھی دعا صفدر کا چہرا مختلف رنگ کی روشنیوں سے چمک رہا ہے۔ریستوران میں سبز اور سنہری رنگ کی لائیٹس لگی ہوئیں ہیں۔جو اس کے چہرے پر پڑتی ہیں اور میک اپ کے ساتھ مل

کر رنگوں کا ایک مختلف سا امتزاج پیدا کرتی ہیں۔

حمزہ میں تمہارے پچھلے دنوں کے رویے سے بہت پیچیدگی کا شکار ہوں۔وہ مورنی آنکھوں میں غصہ سموئے قدرے سنجیدگی سے بول رہی تھی۔اس کی نظریں سامنے بیٹھے سیاہ آنکھوں والے مرد پر ٹکی تھیں۔

میں ایسا کچھ نہیں کیا یار، تم ہر چھوٹی بات کا ایشو کیوں بنا لیتی ہو۔اس کا لہجہ بیزار تھا، نظریں مورنی آنکھوں میں گڑی ہوئیں تھیں۔

تم میرا فون نہیں اٹھاتے، اگر اٹھاتے ہو تو صحیح سے بات نہیں کرتے، میں پچھلے ایک سال سے تمہارے ساتھ کی چاہ میں ہوں۔تم نے مجھ سے کہا تھا۔تم مجھے نہیں چھوڑو گے۔وہ منت بھری نظروں سے اسی دیکھ رہی تھی۔

کیا تمہیں کوئی چھوڑ سکتا ہے۔

اس نے اپنی آواز کا جادو، لفظوں کا ہیر پھیر سے شروع کر دیا۔وہ دعا کی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

۔

میں نے سنا ہے آنکھوں میں دیکھ کر باتیں کرنے والے سچے ہوتے ہیں۔

وہ اسے کچھ باور کروانا چاہتی تھی۔اس کی نگاہوں کا مرکز اب وہ سامنے دیوار پر بنا درخت تھا۔

لگتا ہے کتابیں پڑھنے لگی ہو۔سیاہ آنکھوں والا مرد فوراً بولا۔اس کی نگاہیں زرا دیر کو بھی دعا کے چہرے سے نہ ہٹیں۔

تم نے غلط سنا، میں نے کہا "میں نے سنا ہے "اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔

تمہیں لگتا ہے کوئی تم سے جھوٹ بول سکتا ہوں۔وہ کمبخت دل کو موم کر دیتا تھا، وہ اللہ اللہ کر کے سنبھالتی تھی وہ ایک پل میں تتر بتر کر دیتا تھا۔

تمہاری آواز نہایت خوبصورت ہے، دعا نے ایک اور اعتراف کیا تھا۔وہ اب اس اجڑے مگر مضبوط درخت کو نہیں دیکھ رہی تھی۔وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

ان کے عقب میں میوزک چل رہا تھا، کچھ لڑکے لڑکیاں ڈانس کر رہے تھے، سنگر صرف ایک رٹ لگائے ہوئے تھا۔ہیپی برتھ ڈے، ہیپی برتھ ڈے۔شاید نہیں لازماً وہ کسی کی برتھ ڈے

سلیبریٹ کر رہے تھے۔

مجھے معلوم ہے میں سارا کا سارا حسین ہوں۔

وہ بالوں کو جو ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے پیچھے کرتے ہوئے اترا کر کہہ رہا تھا۔

تمہیں غرور ہے اپنے حسن پر دعا کسی فسوں زدہ لمحے کے زیرِ اثر بولی۔اس کے کانوں میں کسی کے کہے الفاظ گونجنے لگے،ریستوران کا منظر دھندلانے لگا، نظروں کے سامنے ذہن کے پردے کے پیچھے ایک اور منظر ابھرنے لگا،ان کے گھر کا منظر،وہ بوڑھا اجڑا درخت صحن میں کھڑے ایک تروتازہ لمبے اور بکھرے ہوئے درخت میں تبدیل ہونے لگا۔درخت کی چھاؤں میں مومنہ اور دعا دونوں سیاہ اور سرخ رنگ کی چارپائی پر بیٹھی تھیں،دعا نے ہاتھوں کو نزاکت سے لہراتے ہوئے کچھ کہا اس پر مومنہ چڑ گئی اور پھر وہ بولنا شروع ہوئی تو بولتی گئی۔

دعا تم سیلفش ہو۔ تمہیں اپنے حسین ہونے پر بہت غرور ہے۔یہاں تک کہ تمہیں اپنی آنکھوں پر گھمنڈ ہے۔حالانکہ تمہیں رب کا شکر گزار ہونا چاہیے۔پر نہیں تم ہمیشہ اتراتی ہو۔پر پتے کی بات بتاؤں یہ جو خوبصورتی پر اترانے والے لوگ ہوتے ہیں نا۔یہ اکثر اکیلے رہ

جاتے ہیں۔ یا پھر یہ اپنے ساتھ رہنے والوں کو زر پہنچاتے ہیں۔ کبھی اپنی اداؤں سے، کبھی اپنے حسن کی نمائش سے، کبھی خود کو اعلیٰ گردان کر، کبھی کسی کو کم تر جان کر، پر پتہ ہے کیا ایسے لوگوں کے ساتھ جو لوگ رہتے ہیں نا وہ ان سے تنگ آ جاتے ہیں، اُن کو ایسے لوگوں کی صحبت میں رہنا کسی ذہنی بیمار کے ساتھ رہنے جیسا لگتا ہے۔ جو خود بھی ٹوکسک ہو اور ساتھ والے کو بھی ابیوز کرے۔ تم میری بہن ہو اور میں نہیں چاہتی کہ تم ایسی ہو جاؤ تم پیاری ہو لوگ تم سے محظ اس لئے محبت نہیں کر سکتے، محبت عاجز، انکسار اور خوبصورت دل کا نام ہے۔

آسمان سے قوسِ قزح کے رنگ چھٹنے لگے دھوپ بڑھنے لگی اور دعا کسی طلسمی لمحے کی مدد سے واپس حال میں لوٹ آئی۔ وہ اب سامنے بیٹھے خوبصورت سیاہ آنکھوں والے، کھڑی ناک اور بھرے بھرے سے گلابی رنگ کے ہونٹوں والے حسین مرد کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے سر جھٹک دیا، مومنہ غلط کہتی ہے، حسن والوں کو حق ہے اپنی تعریف کرنے کا، ہاں لوگ اسے غرور سمجھتے ہیں تو یہ اس کا مسلہ نہیں ہے۔ وہ حمزہ کو کسی کی باتوں میں آ کر نہیں چھوڑ سکتی اور مومنہ تو مجھے بھی مغرور کہتی ہے، نہیں وہ نہیں آئے گی کسی کی باتوں میں، وہ حمزہ پر بھروسہ کرتی

ہے اور حمزہ اسے اس بھروسہ کے انعام کے طور پر نوازا جائے گا۔ایک دن سب صحیح ہو گا ،خوابوں کی تعبیر ہو گی۔

ہوں، وہ چونک کر خیالوں کی دنیا سے باہر آئی جب سامنے بیٹھے مرد نے اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی۔ کہاں گم ہو، سیاہ آنکھوں والا مرد اسے گم صُم دیکھ کر، کہیں اور کھونے کی وجہ پوچھ رہا تھا۔

کہیں نہیں، حمزہ میں ایک بات پوچھوں۔ مورنی آنکھوں والی لڑکی نے اجازت چاہی۔

سیاہ آنکھوں والے مرد نے سر کو ہاں میں جنبش دی، تاثر ایسا جیسے کہ رہا ہو میرے نا کہنے پر تو جیسے نہیں پوچھو گی۔

"تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔"

ہر لفظ رک رک کر ادا کیا۔رُواں رُواں سماعت بن گیا، آنکھیں سیاہ آنکھوں میں گڑھ گئیں ،ناخنوں پر لگی سیاہ نیل پالش ٹیبل سے رگڑ کھا کھا کر اتر چکی تھی، پیچھے چلتا میوزک، ڈانس کرتے لوگ، آڈر لیتے بیرے، حتی کہ اسے کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا، اسے کوئی دکھائی بھی نہیں

دے رہا تھا، اسے اگر کوئی محسوس ہو رہا تھا تو وہ سامنے بیٹھا شخص تھا، اس کا ایک لفظ، بس ایک لفظ اس کے دل کو تار تار بھی کر سکتا تھا اور باغ باغ بھی کر سکتا تھا۔ سامنے بیٹھے شخص نے کہنی میز پر ٹکا دی، مٹھی بند کر کے ٹھوڑی تلے رکھ لی۔ اب وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں محبت صاف جھلکتی تھی۔ اس کی نظریں کسی خوف سے ذرا سا بھی نہیں جھجھکتی تھیں۔ وہ سیاہ آنکھوں میں معصومیت کا جہان سموئے سامنے بیٹھی لڑکی کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"اگر یہ ساری دنیا سماعت بن جائے، بولنے کو میں اکیلا رہ جاؤں، زمین کے سینے پر پھیلے پہاڑ مجھ سے پوچھیں محبت کیا ہے تو میں کہوں گا "محبت دعا صفدر، محبت دعا کا ساتھ ہے، محبت دعا کی مورنی آنکھوں کی وہ کشش ہے جو جھیل جیسی ہیں، محبت دعا کی مخمل جیسی آواز ہے، محبت دعا کے ساتھ سرد شام میں شال اوڑھ کر چلنا ہے، محبت تم ہو دعا، محبت تم ہو، ہاں میں حمزہ سلطان اپنے پورے ہوش و حواس میں تم سے کہتا ہوں مجھے تم سے محبت ہے، کیونکہ مجھے زندگی سے محبت ہے اور میرے لیے زندگی تم ہو۔"

وہ اپنی بات کہہ کر دعا کی جانب دیکھ رہا تھا۔ یہ لفظ بھی کتنے ساحر ہوتے ہیں۔ بنا کسی منتر کے آدمی

پر طلسم طاری کر دیتے ہیں۔دعا اسے ایک نگاہ تکے جا رہی تھی۔بیر احمزہ سے کچھ پوچھ رہا تھا شاید آڈر کے متعلق مگر حمزہ نے نا میں سر ہلا دیا۔

۔اسے لگا اس پورے جہان میں کھیتوں میں میدانوں میں، ہریالی میں، سبزے میں، پت جھڑ میں، کہرے میں، ٹھنڈک میں، جاڑوں میں گرتی اوس میں، بارش میں، ژالہ باری میں، خزاں کے ہر رنگ میں، بہار کی ہر فضاء، زمین پر سینہ تان کر کھڑے پہاڑوں میں، آسمان پر سجے ستاروں میں، ستاروں سے بنی کہکشاؤں کے جھرمٹ میں، جھرمٹ سے ذرا سے فاصلے پر آب و تاب سے چمکتے مہتاب کی روشنی میں، ان سب کو دیکھتے تمام انسانوں میں فقط ایک وہ شخص حسین ہے۔اس کی آواز دل پر جادو کر دیتی ہے۔جو کہتے ہیں دعا خوبصورت ہے انھیں حسن کے اس دیوتا سے ضرور ملنا چاہیئے۔

تم ساحر ہو۔تم جادو کرتے ہو۔جادو بھی کالا۔تمہاری آواز میں سحر ہے۔تم بولتے ہو کانوں میں چاشنی گھل جاتی ہے۔ہر شے ٹھہر جاتی۔اب وہ اس کی تعریف کر رہی تھی یا اس پر الزام لگا رہی تھی۔اندازہ لگانا مشکل تھا۔

میں ساحر نہیں ہوں۔کیسے الزام لگا رہی ہو۔البتہ حسین تو میں ہوں۔مگر تم بھی کسی سے کم نہیں۔بس مجھ سے زرا سی کم۔اس نے انگھوٹے اور شہادت کی انگلی میں ذرا سا خلا بناتے ہوئے قدرے اترا کر کہا۔وہ سامنے بیٹھی سن رہی تھی۔

کیا ایسی حسین محبت کی قسمت میں وصال ہو گا یا پھر ہجر محبت کرنے والوں کی تقدیر میں لکھ دیا جاتا ہے، کون جانے، وقت سب آشکار کر دے گا۔

،آج تم نے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔میری دعا ہے تم اپنی باتوں پر قائم رہو۔آج میں یہاں سے پر سکون ہو کر اپنی محبت پر بھروسہ کر کے اور تمہاری محبت کا مان لے کر جا رہی ہوں۔پچھلے کئی دنوں سے میں صحیح نہیں تھی، میں خوف زدہ تھی، ڈری ہوئی تھی، چلتی فضاؤں سے سہمی ہوئی تھی۔محبت مجھے ڈراتی ہے۔لوگ کہتے ہیں اس کا انجام بھیانک ہے۔میں بتانا چاہتی ہوں۔محبت بہت خوبصورت جزبہ ہے۔محبت گلاب کے پھولوں سے اٹھنے والی وہ مہک جو سارے جہاں کو مہکا دیتی ہے۔محبت وہ ہوا جو چلے تو روح میں تازگی بکھیر دے۔میرا مقصد، میرے خواب ،لوگوں سے بہت الگ ہیں حمزہ۔اس نے سامنے رکھا سبز رنگ کا بیگ پکڑ لیا، وہ ناخن سے بیگ پر

لگے ایک گول سنہرے رنگ کی کیچین کو مروڑ رہی تھی۔

"تو تمہارا خواب محبت ہے"۔اسے جیسے تمام باتوں میں یہی ایک جملہ سنائی دیا تھا۔کیچین کو کھرچتی لڑکی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"نہیں۔محبت کی پرورش۔میرا خواب،میرا مقصد حیات محبت نہیں،بلکہ محبت کو عام کرنا ،لوگوں نے محبت کے بارے میں غلط گمان پال رکھے ہیں،وہ محبت کا نام بربادی سے ملانے لگے ہیں،محبت کرنے والوں کو اپنی زندگی اپنے ہاتھوں سے ختم کرنے والوں کے برابر سمجھنے لگے ہیں ۔"وہ بول رہی تھی،بنا اڑے،بغیر رکے،ایک سانس میں مسلسل وہ اسے سن رہا تھا،دیکھ رہا،مگر کیا سمجھ بھی رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

حمزہ کیا تم میرا ساتھ دو گے اس سب میں،کیا ہم پھر سے محبت عام کر پائیں گے،کیا محبت کو مسخ ہونے سے بچانے میں میری مدد کرو گے۔وہ اس سے وعدہ نہیں مانگ رہی تھی،وہ اس سے سہارا بھی نہیں مانگ رہی تھی،اسے بس ساتھ چاہیے تھا۔ہم قدم چاہیئے تھا۔

حمزہ نے ہاں میں گردن ہلادی،اس کی آنکھوں میں قمقموں کی روشنی تھی،وہ پر عزم لگتا تھا،وہ

محبت کو رسوا ہونے سے بچانے کے لئیے تیار تھا۔

وہ مسکرادی، محبت کو بچانے کا یہ سفر مبارک ہو حمزہ سلطان۔اس نے اپنی مورنی آنکھیں بہت ہی خوبصورت انداز سے چھوٹی کیں، ہونٹ جن پر لال لپسٹک لگی ہوئی تھی نہایت حسین انداز میں مسکراہٹ میں ڈھل گئے, سیاہ لٹیں اس کے چہرے کا طواف کرتی تھیں۔

وہ بیگ پکڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔سیاہ لباس پر سیاہ دوپٹہ تھا۔ڈوپٹہ ٹھیک کیا اور اللہ حافظ کہتی ہوئی باہر نکل گئ۔ مگر جاتے جاتے وہ اس اجڑے درخت کو دیکھنا نہیں بھولی تھی۔وہ درخت اسے عجیب لگا۔بہت طاقتور۔وہ جو اکیلا جینا جانتا ہے۔البتہ لوگوں کا رش اب بھی ویسا ہی تھا۔

سیاہ آنکھوں والا مرداب بھی وہیں بیٹھا تھا،اس نے سر کو ہاتھوں میں گرالیا۔

وہ گھر آچکی تھی،اس کی آنکھوں کی بجھی چمک دمک واپس لوٹ آئی تھی۔وہ خوش تھی، بہت دنوں بعد سکون نصیب ہوا تھا، بڑھتے وسوسوں کا گلا گھٹا تھا۔کھونے کا ڈر ختم ہو گیا۔جسے پانا تھا اس نے یقین دہانی کرادی تھی۔وقت نے اس کا ساتھ دیا تھا، محبت نے اسے تنہا نہیں کیا۔

دعا کا تعلق گاؤں سے تھا۔اس کا گاؤں شہر کے قریب تھا۔گاؤں سے شہر تک پہنچنے میں تقریباً

پندرہ منٹ لگتے تھے۔آج اس نے پہلی مرتبہ گھر سے قدم نکالا تھا۔آج وہ پہلی بار اکیلے اس سے ملنے گئی تھی۔آج تو وہ بہت سے شہروں میں گئی تھی۔بہت سی جگہوں پر گئی تھی۔مگر آج سے پہلے وہ کسی مرد کے لیے نہیں گئی تھی۔آج سے پہلے وہ محبت کے لیے نہیں گئی تھی۔آج وہ محبت کے لیے گئی تھی۔آج وہ اپنے لیے گئی تھی۔آج وہ دل میں اٹھنے والے وسوسوں کو بٹھانے گئی تھی۔آج اس نے خود پر بٹھائے بند توڑے تھے۔آج اس نے محبت کے لیے سب کر دیا تھا۔

کہاں گم ہو۔وہ لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی تھی جب مومنہ نے اسے خیالوں کی دنیا، محبت کے رنگوں سے واپس نکالا تھا۔

تم ہمیشہ غلط ٹائم پر ہی آنا۔دعا کو تپ چڑھی۔ظاہر اتنا خوبصورت خواب ایک جھٹکے میں توڑ دیا تھا

۔

مگر کیا خواب پورا ہو گا۔کیا سچ میں ایک جھٹکا لگے اور سب ایک ہی جست میں تتر بتر ہو جائے گا۔

میری ٹائمنگ تو بالکل صحیح ہے۔البتہ تمہارے چہرے پر کسی بات کی خوشی عیاں ہے۔کیا ہوا ،گھر سے تو تم لٹکا ہوا منہ لے کر گئی تھی۔پھر یہ اتنا کھلا کھلا کیسے لگ رہا۔چھوٹوں کی جاسوسی

نہیں جاتی۔

میرا منہ لٹکے، پھولے، سوجے یا کھلے تم سے مطلب۔وہ چڑ ہی تو گئی تھی۔خوش رہو جب بھی مسلہ نہ رہو تب بھی مصیبت۔اس نے کہہ کر منہ غصے سے دوسری طرف کر لیا۔

مومنہ ہنسی دبائے اسے دیکھتی رہی، ساری دنیا کا مزہ ایک طرف چڑنے والوں کو تنگ کرنے کا مزہ ایک طرف تھا۔۔

کیا سچ میں وہ خوشی تھی یا پھر خوشی کے پرے کی کوئی ان دیکھے غم کی لہر تھی یہ تو چلتی گھڑی کی آگے بڑھتی سوئیاں بتا ہی دیں گی۔

www.novelsclubb.com

ایک سال بعد۔۔۔۔۔۔

کیا ہوا منہ لٹکائے کیوں بیٹھی ہو۔کنزہ ایک چھوٹی سے ایک اینٹ کی دیوار پر رکھے پودوں کو پانی دے رہی تھی جب کنزہ ذرا سے فاصلے پر رکھی ایک ہلکے بھورے رنگ کی کرسی پر آ بیٹھی۔

کچھ خاص نہیں، لیکن ہے بھی۔

اس کا جواب الجھا دینے والا تھا۔ کنزہ سپائڈر پلانٹ کے پتوں پر پانی گراتی اور ان پر لگی ہلکی ہلکی سی دھول صاف ہو جاتی۔ اسی دوران اس نے اپنی گیانی بہن کو بھی دیکھا۔ سپائیڈر پلانٹ کو (Chlorophytum comosum) کہتے ہیں۔ یہ پودے پاکستان میں آسانی سے دستیاب ہوتے ہیں۔ یہ کم روشنی میں بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔ انھیں زیادہ پانی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ پودے ہوا میں سے زہریلے مادوں کو جزب کرتے ہیں۔ ان کے پتے بڑے اور دھاری دار ہوتے ہیں۔)

مسائل کبھی بھی خاص یا عام نہیں ہوتے بالکل ویسے جیسے کوئی بھی کام چھوٹا یا بڑا نہیں ہوتا۔ اور پھر جس کی وجہ سے مسلہ ہو کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ ہمارے لیے خاص ہے یا عام۔ جس سے فرق پڑتا ہے۔ وہ ہے problem اور اس سے باہر نکلنا۔ مسائل بھی ہمارے لیے کسی نعمت سے کم نہیں ہوتے۔ کیونکہ یہ انسان کو اندر سے جھنجوڑتے ہیں۔ اس لیے **problems are problems** اور ان سے نکلنا رکنا نہیں ہے بلکہ ایک نیا راستہ ایجاد کرنا ہے۔

جیسا کہ رابرٹ ایچ شولر کہتے ہیں۔

".Problems are not stop signs, they are guidelines

مسائل بھی انسان کی خوشبختی ہیں۔کیونکہ وہ آپ کے اندر کو جو اکثر گہری نیند سویا ہوتا ہے۔ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔انسان کے اندر کا جاگنا بہت ضروری ہے۔

وہ اب سپائڈر پلانٹ سے آگے رکھے ایک اور پودے کو تازگی بخش رہی تھی،وہ اپنے پودوں کا خیال ایسے رکھتی تھی جیسے ماں سردیوں کی رات میں اپنے بچوں کی فکر کرتی ہیں۔

اب تک میری چار تحریریں شائع ہو چکی ہیں۔لیکن جو تحریر میرے دماغ میں سب سے پہلے آئی ،جس کو بننا میرے دل نے میرے جاننے سے پہلے شروع کیا وہ آج بھی ادھوری ہے،اس کے کردار مجھ سے سوال گو ہیں،وہ ایک موڑ پر کھڑے ہیں۔امبر ہمیشہ کی طرح ٹھہر ٹھہر کر بولتی تھی اور پھر خاموش ہونے کے بعد ایک لمبا سانس بھرا۔موسم دل کو بھانے والا تھا۔ہوا میں خنکی تھی،دھوپ میں راحت تھی،جو جسم کو سکون اور روح کو تازگی بخشتی تھی۔

(اسے کالج چھوڑے تقریباً ایک سال ہونے کو تھا۔اس ایک سال میں اس نے چار تحریریں

شائع کروائیں۔ سوشل میڈیا پر لوگ اس کے فین تھے۔اس کے ریڈرز فین بننے تک کا سفر کر چکے تھے۔اس کی تحریروں میں تین افسانے اور ایک ناول شامل تھا۔ جہاں لوگوں نے افسانوں کو داد دی وہیں ناول نے بھی خوب داد وصول کی۔ گو کہ ابھی وہ بہت بڑی رائیٹر نہیں بنتی تھی۔ ہر لکھاری کی طرح اس کے کام کو بھی کتنے لوگوں نے دوسرے لکھاریوں کی کاپی کہا۔ کتنی بار وہ اس سفر میں ہارنے لگی۔ کتنی بار ٹوٹی۔ کتنی بار دل نے لکھائی سے منع کر دیا۔ لیکن ایک سچا لکھاری وہی ہے جو اس وقت ابھرے جب لوگ اس کو ختم شدہ سمجھ لیں۔ لکھاری کو تنقید کی بھٹی میں جل کر مصنف بننے تک کا سفر کرنا پڑتا ہے۔ جو جلتا نہیں وہ لکھاری نہیں۔ آج وہ سب کچھ نہیں تھی لیکن کچھ تھی۔ یہ سفر آسان نہیں رہا تھا مگر نا ممکن بھی نہیں تھا۔)

کیوں کہ تم نے وہ ایک جیتے جاگتے انسان کو دیکھ کر بننا شروع کیا تھا، کیوں کہ وہ کہانی تمہاری اپنی نہیں تھی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ تم نے اسے بُنا تھا۔ مگر وہ کہانی تم نے کسی کی ذاتی زندگی سے بنا کر خیالوں کی دنیا سے لفظوں میں ڈھال کر اوراق پر نقش کر دی۔ اب وہ آخری پودے کو پانی دے رہی تھی، یہ ننھا سا پودا بہت خوبصورت تھا، چھوٹے چھوٹے پتے جو نہایت سبز تھے۔

تو کیا آپی میں وہ کہانی چھوڑ دوں، کیا اپنے کرداروں کو ایسی دلدل میں تنہا چھوڑ دوں جہاں انہیں لا کر میں نے کھڑا کیا ہے۔ وہ سب ایک نئے آغاز کے منتظر ہیں۔ انہیں ایک نیا سفر شروع کرنے کی چاہ ہے تاکہ وہ پچھلے تجربات کے غم سے چھٹکارا پا سکیں۔ وہ ایک نظر کنزہ کو دیکھتے ہوئے ایک ہی سانس میں بول گئی، مگر ہاں اب وہ لمبے لمبے سانس کھینچ رہی تھی۔

کس نے کہا تم انہیں چھوڑ دو، تم انہیں یہاں تک لائی ہو تو انہیں ایک اختتام بھی تم ہی دے سکتی ہو۔ لیکن اس کے لئیے تمہیں انتظار کرنا ہو گا، حقیقی کرداروں کی زندگی میں کسی موڑ کے آنے کا تب ہی تمہارے یہ کردار اس موڑ سے آگے بڑھ پائیں گے۔ اب وہ پانی کی خالی گیلن نیچے رکھ کر وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ جو کہ صرف چار سٹیپس تک تھیں۔

لیکن میں نے ان سے صرف انسپائریشن لی تھیں۔ ان کو مکمل نہیں لکھا تھا۔

لیکن تم نے آغاز کے وقت انجام کی گھڑی کو ان کے وقت سے ماپا تھا۔

تو اب میں کیا کروں، ایسے انہیں چھوڑ سکتی اور آگے بڑھانے کے لئیے دو راستے ہیں، میں چاہوں تو ابھی ایک کو چن کر کہانی کو ایک نیا ٹوسٹ دے دوں لیکن میں نہیں چاہتی کہ میں وہ لکھوں جو

میں نے پلان نہیں کیا۔میرے کرداروں کے ساتھ انصاف ہونا چاہیئے۔پھر چاہے وہ ٹوٹے دل لے کر ہی کیوں نہ صحرا کے سفر پر نکل پڑیں۔

ٹوٹا دل اور سفر بھی صحرا میں زیادتی نہیں ہو گی۔کنزہ نے قدرے دکھی لہجے میں کہا۔

"جن کے دل زخمی نہ ہوں وہ صحرا تو دور،دور کا سفر بھی نہیں کر سکتے،دل جتنا زخمی ہوتا ہے سفر اتنا آسان ہوتا ہے۔انجانے سفر پر وہی نکلتے ہیں جن کے دل درد سے آشنا ہو کر دنیا سے بیگانے ہو جائیں۔"

اس کی دلیل مضبوط تھی، نہیں بلکہ لاجواب تھی۔وہ ہمیشہ ہی لاجواب کر دیتی تھی۔کیونکہ وہ جانتی تھی۔زندگی کے سفر میں راستوں کو کیسے کھوجنا ہے۔

یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ کردار ایک خوبصورت اختتام کے منتظر ہوں۔ہیپی اینڈنگ ان کا حق ہو۔کنزہ تھوڑی تلے ہاتھ کی مٹھی بنائے بیٹھی تھی۔ہیزل آنکھوں مختصر سا بولتیں اور پھر جواب کی لگن میں امبر کی طرف متوجہ ہو جاتیں۔

"اختتام خوبصورت نہیں ہوتے آپی،زندگی خوبصورت ہوتی ہے۔آغاز اور اختتام کے درمیان

جو سفر ہوتا اسے جینا خوبصورت ہوتا ہے۔ لیکن اختتام کبھی خوبصورت نہیں ہوتے۔ زندگی کا اختتام موت پر ہے اور موت کبھی خوبصورت ہوئی ہے کیا۔" وہ اپنی بات کہہ کر خاموش ہو گئی تھی۔ البتہ وہ اپنی بات ویسے بھی ٹھہر ٹھہر کر کرنے کی عادی تھی۔ پر سکون سی امبر۔ اس کی آنکھوں میں گہرے سائے تھے ایسے جیسے کسی کے لیے فکر مند ہو، جیسے وہ جو لکھ رہی تھی خود بھی اس کو لکھنے سے خوف زدہ ہو۔

تم اتنی نیگیٹو کیوں ہو امبر، تم دوسرا رخ کیوں نہیں دیکھتی، تم تصویر کے بھیانک حصے پر نظریں جمائے ہوئے ہو۔ اس سے نظریں ہٹاؤ گی تو سکون پا کر خوشی محسوس کر پاؤ گی۔ دوسرے رخ کی خوبصورتی اس سائیڈ سے کہیں دلکش ہے جو تم نے خود تخیل کر لی ہے۔

ایک جتنی حقیقت پسند تھی، دوسری اتنی موت کے کنویں میں زندگی کی ڈور تلاشنے والی تھی۔

دوسرا رخ دلکش ہے کیونکہ وہ ایک الوژن ہے اور جب ہم حقیقت سے پرے اپنی دنیا کا الوژن بنا لیں نہ تو ہمیں ایک آس مل جاتی ہے کبھی نہ کبھی کچھ نہ کچھ صحیح ہونے کی آس۔

وہ ٹھہر کر سانس لینے لگی اور اب اپنا نیم رخ موڑ کر کنزہ کی طرف دیکھا، ہیزل آنکھیں بات کے

پورے ہونے کا انتظار کرنے لگیں امبر آنکھوں نے گہری بھوری پلکیں جھپکیں جیسے تسلی کا اشارہ دیا ہو۔

الوژن بنانا غلط ہے یا صحیح مجھے نہیں پتا لیکن حقیقت سے بھاگنا اور خود کو ایسے مقام پر تصور کرنا جہاں اگر کبھی پہنچ نہ پائیں، یا کبھی سفر تھکا دے، یا چلتے چلتے پاؤں شل ہو جائیں تو کم از کم اتنا ناں ٹوٹیں کہ جڑنے کی امید باقی نہ رہے۔

الوژن بنا لینے چاہیں امبر، الوژن ہمیں ہمارے گریف میں جینے کی امید دکھاتے ہیں، ہمیں بتاتے آج نہ صحیح مگر کبھی نہ کبھی تو ہم اس مقام کو پالیں گے جس کے آج ہم خواب دیکھتے ہیں ۔جو آج نہیں ہے یا پھر جو ہمارے ساتھ آج برا ہے ممکن ہے نہ کہ وہ کبھی بہتر ہو جائے۔ صحرا میں بھٹکتے کبھی چھاؤں میسر ہو جائے گی۔ایک دن میں نہ صحیح مگر ایک دن ضرور ہو گا جو ہم نے سوچا وہ ایک پورا بھی ہو گا۔

، تھک جانا صحیح ہے بجائے اس کہ تم خود سے تھک جاؤ، گر جانا بہتر ہے اس لیے تاکہ تمہیں یاد رہے اٹھنا کیسے ہے، غلطیاں کرنا لازم ہے تاکہ تمہیں معلوم ہو سکے کہ صحیح کیا ہے اور کیوں ہے

۔یہ زندگی ہے اور زندگی کس کے لئیے کبھی بھی پھولوں کی سیج نہیں ہو سکتی، پھول تک پہنچنے کے لیے کانٹوں سے زخم کھانے پڑتے ہیں۔

اب وہ کرسی چھوڑ چکی تھی، کنزہ اسی کی اور دیکھ رہی تھی۔امبر کی باتیں اسے ہمیشہ الجھن کا شکار کرتی تھیں۔وہ پیچیدہ تھی یا شاید وہ اپنی عمر سے پہلے بڑی ہو چکی تھی۔خیر جو بھی تھا وہ امبر کی ہر بات سے متفق نہیں ہوتی تھی۔امبر اب اس کے قریب بیٹھ گئی۔امبر آنکھوں نے ہیزل آنکھوں کو دیکھا اور پھر خاموشی سے اس نے اپنا سر کنزہ کی گود میں گرا دیا۔کنزہ نے مسکرا کر سر جھٹکا اور اس کے بالوں کو سہلانے لگی۔بہنوں کا پیار بہنوں کا ہوتا ہے، یہ جسے نصیب ہو لطف بھی اسے ہی معلوم ہوتا ہے اور امبر کو یہ ہمیشہ سے کسی بن مانگی دعا کی طرح دستیاب رہا تھا۔

تم جو کر رہے ہو یہ صحیح نہیں ہے۔

وہ غصے سے کہتا ادھر ادھر چکر کاٹ رہا تھا۔

اگر صحیح نہیں ہے تو اس میں کچھ غلط بھی نہیں۔

سیاہ لباس اور سیاہ آنکھوں والا مرد اتنا ہی پر سکون تھا۔اور اس کی آواز میں ایک اعتماد تھا کچھ صحیح کرنے کا بھروسہ مگر دور کہیں زمانوں کی تکان تھی۔

"حمزہ تم پچھتاؤ گے اور پچھتاوے زندگی بھر کا بوجھ ہوتے ہیں۔" بھوری آنکھوں والا مرد اب اس کے عین سامنے کھڑا تھا جو اپنی بات پر ڈھیٹوں کی طرح ضد کیے بیٹھا تھا۔طلال کرسی پر جھکا کالی آنکھوں میں بھوری آنکھیں گڑ گئیں۔سیاہ آنکھوں نے رخ پھیر لیا، بھوری آنکھیں غصے سے کالی ہوئی جاتیں تھیں۔

پیچھے ہو جاؤ کوئی دیکھے گا تو کیا سمجھے گا۔

سیاہ آنکھوں والے مرد نے شریر لہجے میں کہا۔طلال کا میٹر اور گھوم گیا وہ جھٹکے سے پیچھے ہوا۔

تم، تمہیں مزاق سوجھ رہا ہے حمزہ سلطان یہ مخول کرنے کا وقت نہیں ہے سمجھے تم۔بھوری آنکھوں والے مرد نے دانتوں کو پیستے ہوئے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کچھ باور کرانا چاہا ۔مگر وہ کچھ سمجھے تبھی ناں۔سیاہ آنکھوں والا مرد اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔وہ پینک ٹی اسٹال کے چھجے کے نیچے بیٹھی ایک کالے سفید دھبوں والی بلی کو دیکھ رہا تھا۔

تیرا میرا مزاق ہے نا تو پھر کیوں نہ سوجھے مجھے مزاق۔اس نے نظروں کا تبادلہ نہیں کیا اسی رت میں بس ایک لائن بول دی۔

تم یہ بوجھ نہیں اٹھا پاؤ گے، میری بات مان جاؤ جو ابھی ایک فیصلہ لگ رہا وہ آنے والے وقت میں گلے کا پھندا بن جائے گا۔

اس کی آواز میں درد تھا، غلط کو نہ روک پانے کا درد، دوست کو کھائی میں کودنے سے نہ بچا پانے کا خوف۔وہ ایسے اسے نہیں گہرے اندھیرے میں جانے دے گا، نہیں وہ روک لے گا وہ کچھ بھی کرے گا وہ اسے بچائے گا۔اس نے اندر ہی اندر خود سے ہزار وعدے اور بے شمار دعوے کیے تھے۔دوستوں کو گرتے کون دیکھ سکتا تھا۔

تم بس ایسے ہی پریشان ہوتے ہو کچھ نہیں ہو گا۔اور میں کون سا صدیوں سے اس چیز میں پڑا ہوں ابھی ڈیڑھ سال پہلے کی تو بات ہے۔یہ بس عادت ہے چلی جائے گی تم مجھ سے زیادہ اسے سر پر سوار کیئے ہوئے ہو۔

کیونکہ میں تمہیں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔

www.novelsclubb.com

طلال نے کھڑے کھڑے ایک اور دعوی کر دیا اور اب کی بار اس نے خود کے نہیں حمزہ کے سامنے، کھلے آسمان کے نیچے اور چائے کے ایک سٹال کے سامنے کیا تھا۔

"کوئی کسی کو کسی سے زیادہ نہیں جان سکتا۔"

حمزہ نے اب نظریں پھیر کر اس کی جانب دیکھا، لوگ چائے پی رہے تھے، ان کے مسلے بس ان کے تھے۔ اس سب سے بے نیاز چائے والا چائے میں پتی ڈال رہا تھا۔ یہ ایک عام سا ٹی سٹال تھا جو ایک سڑک کے کنارے پر بنا ہوا تھا۔ لوگ شام کو کھلی فضا اور وسیع آسمان کے نیچے اپنے دوستوں سے چائے کے ساتھ گپ شپ کرنے یہاں چلے آتے تھے۔ حمزہ اور طلال بھی اکثر اس جگہ کو اعزاز بخشتے تھے۔

www.novelsclubb.com

"تم کہو گے ایک دن کہ تم نے اپنے ساتھ ظلم کیا تھا۔"

طلال اب ساتھ پڑی ایک کرسی پر بیٹھ گیا وہ تھک چکا تھا اسے سمجھا سمجھا کے مگر وہ تھا کہ پتھر پر لکیر کھینچ بیٹھا تھا۔

میں نے اس کی اچھائی چاہی ہے تم سمجھتے کیوں نہیں ہو۔ اب کے حمزہ کی آواز میں بیزاریت

تھی۔ جیسے وہ اس مدعے کو بار بار کریدنے سے عاجز آ چکا تھا۔

واہ، واہ کیا کہنے آپ جناب کے تم نے اس کی اچھائی چاہی ہے، تم، تم دیکھنا جب اس کے انجام تک پہنچو گے وہ تم سے کبھی نہ ملنے کو بچھڑ جائے گی۔ پھر کیا کرو گے کیونکہ میں جانتا ہوں جتنا آسان یہ تمہیں لگ رہا ہے اس سے زیادہ کمپلیکیٹڈ ہوتا جا رہا ہے۔

Enough is enough Talal , just stop it

حمزہ کی آواز قدرے اونچی ہو گئی، سیاہ آنکھوں میں بے بسی بھرا غصہ در آیا۔ وہ کرسی سے ذرا سا آگے کو جھکا تھا اور اپنی بات کہہ کے پیچھے ہو گیا۔ طلال ہونقوں کی طرح اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس لئیے نہیں کہ اسے حمزہ کے اس طرح بات کرنے پر صدمہ لگا تھا بلکہ اس کی بھوری آنکھوں میں کچھ اور تھا، کچھ ایسا جسے وہ شائد تلاشنا چاہتا تھا، غور کرو تو اس کی آنکھوں میں ایک چمک تھی۔

بیرا چائے لا چکا تھا اس نے ان دونوں کو ایک ایک کپ تھما دیا۔ حمزہ نے طلال کو دیکھا اور طلال نے چائے کی جانب اشارہ کر دیا، دونوں نے چائے کی چسکی بھری۔

oooooooooooooooooo

چھ ماہ پہلے۔۔۔۔۔۔۔

امی میں نے اے گریڈ لیا ہے۔دیکھیں رزلٹ آگیا،امی کہاں ہیں آپ،دعا پورے گھر کو سر پر اٹھائے،سیڑھیوں کو پھلانگتے ہوئے اپنی ماں کو پکار رہی تھی۔اس کے چہرے کی مسکراہٹ اس کی خوشی کا خوب پتہ دیتی تھی۔ماشاءاللہ،اللہ اور کامیاب کرے خوب کامیابی کماؤ،اس کی ماں کچن سے باہر آئی اور اس کے سر پر پیار بھرا ہاتھ رکھا اور گلے سے لگا لیا۔ماں کا پیار،پیار نہیں ہوتا بلکہ اک حوصلہ ہوتا ہے جو پنچھی کو اڑان بھرنے کے لیے آمادہ کرتا ہے کہ اڑو کیونکہ تمہیں آسمانوں کو تسخیر کرنا ہے۔تمہیں بلندیوں سے ہوتے ہوئے ایک نئے جہان کو کھوجنا ہے جو تمہارا منتظر ہے۔

بابا کہاں ہیں،اس نے گردن کو سوالیہ انداز سے ارد گرد گھمایا۔

تمہارے بابا تو صبح ہی نرسری کی طرف نکل چکے تھے۔پودوں کا ایک بہت بڑا آڈر آیا ہے اور آج اس کو مکمل کر کے بھیجنا ہے۔اس نے سمجھتے ہوئے گردن کو خم دیا۔اور مومنہ وہ بھی نہیں ہو گئی

۔

ہاں وہ بھی صبح ہی نکل چکی تھی۔اب تو ایک بجے ہی لوٹے گی۔اچھا آپ میٹھائی تو منگوائیں اور ہاں دوسری گلی میں پہلے نکر پر جو حلوائی والا ہے نا اس کی میٹھائی منگوایے گا بہت صاف ستھری اور سواد میٹھائی بناتا ہے۔وہ ماں کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے واپس اپنے کمرے کی طرف پلٹ گئی

۔

امبر تم نے بھی کمال کر دیا۔وہ کمرے ٹہل رہی تھی اور موبائل کو کان سے لگائے باتوں میں مشغول دیکھتی تھی۔

اچھا تم انجوائے کرو میں باقی سب سے بھی پتہ کر لوں۔اس نے اللہ حافظ کہہ کر کال کاٹ دی۔

اب وہ ایک اور نمبر ڈائل کر رہی تھی۔اس نے موبائل کو کان سے لگایا مطلب دوسری طرف سے کال پک کی جا چکی تھی۔

تمہیں پتہ ہے میرا اے گریڈ آیا ہے۔وہ چہکتے ہوئے کسی دوسری جانب موجود شخص کو بتا رہی تھی۔

کیا،اللہ مبارک ہو تمہیں،مجھے پتہ تھا تاپ تم ہی کرو گے۔دوسری طرف موجود شخص نے اپنی کامیابی کی اطلاع دی۔اچھا ٹریٹ کب دے رہے ہو تم۔میں بہت خوش ہوں اور ہاں بڑی والی مطلب مہنگی والی ٹریٹ لوں گی میں۔اور تمہیں دینی پڑے گی۔دوسری طرف موجود شخص کے ہنسنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔

وہ اس کی کامیابی کا سن کر اتنی خوش ہو گئی کہ اپنی کامیابی تو یاد ہی نہیں رہی۔کچھ لوگ کتنے خاص ہوتے ہیں اور عزیز ہوتے ہیں کہ ان کی خوشی کے سامنے اپنی خوشی دیکھائی ہی نہیں دیتی۔کچھ نظر آتا ہے تو سامنے والے کی خوشی اور بس لگتا ہے اب زندگی مکمل ہے،جس کی چاہ تھی وہ یہی تھا،جس کو مانگے بنا ملنا کہتے ہیں وہ اسی بن مانگی دعا کا نام ہے جو آئے اور زندگی کو حسین کر دے۔

اب جاننا یہ تھا کہ کیا سچ میں کوئی زندگی کو اتنی حسین کر سکتا ہے کہ اس کی خوشی کہ سامنے اپنی ذات بھی یاد نہ رہے۔کچھ سچ کتنے حسین اور کتنے کڑوے ہوتے ہیں۔یہ تب معلوم ہوتا ہے

جب انسان جو الوژن بناتا ہے اس میں داخل ہو کر جب اسے جیتا ہے تو معلوم ہوتا ہے ہمارا بنایا گیا الوژن فقط ایک الوژن تھا۔جب الوژن ٹوٹتے ہیں تو دل میں درد ہی نہیں بلکہ سانس لینے میں بھی تنگی ہونے لگتی ہے۔ہمارے کرداروں کے ساتھ زندگی کوئی سازش رچے گی یا اس کھیل کے بھنور سے یہ بچ نکلیں گے یہ تو وقت بتائے گا۔جب وقت بتاتا ہے۔پھر بس سنا جاتا ہے۔

مفاہمت کی ہمت کہاں باقی رہتی ہے۔سب دھرا کا دھرا رہ جاتا ہے۔زندگی ہر ایک کے ساتھ مختلف رویے رکھتی ہے۔ہر ایک کو مختلف آزمائشوں میں ڈالتی ہے۔

ہیلو،ہیلو کہاں گئی وہ کسی سوچ کے گہرے بھنور میں تھی جب حمزہ کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

کہیں نہیں بس یہیں۔تم بتاؤ کب دے رہے ہو پھر ٹریٹ۔اس نے خیالوں کی دنیا کے فسوں کو توڑا اور سوال داغا۔

جب تم کہو اور جہاں تم کہو۔اس کی شخص کی آواز بہت خوبصورت تھی،کانوں میں شہد گھولنے والی،دل کو تسکین دینے والی۔

www.novelsclubb.com

سنو۔دعا نے اسے پکارا تھا۔مورنی آنکھوں میں جہاں خوشیوں کا جہاں تھا وہیں کچھ خدشے بھی تھے جو بارہا سلانے کے بعد بھی اٹھ جاتے تھے۔

آپ کی ہی تو سنتے ہیں بولیئے جناب۔وہ فوراً حاضر ہوا۔

تم جو اتنے مہربان ہوئے دیتے ہو،مجھے ڈر لگتا ہے کہیں ایک ہی جھٹکے میں ساری ریاضتوں کی بھرپائی نہ کر لو۔

خوف زدہ لگوں کو ہمیشہ تسلی چاہیئے ہوتی ہے تاکہ انہیں یہ یقین رہے کہ وہ جو سوچ رہے ہیں وہ غلط ہے ایسا نہیں ہو گا۔وہ سچ کو دیکھ بھی اس کے جھوٹ ہونے کا خیال کرتے ہیں۔

تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے اور ہم اس بارے میں پہلے بات کر چکے ہیں اب مزید کوئی بحث نہیں۔

موبائل کی دوسری طرف سے آتی آواز نے اس کے وسوسوں کو دلاسہ دے کر سلا دیا مگر کچھ وسوسے اتنی آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑتے،وہ ہمیشہ ساتھ۔رہتے ہیں۔

مجھے نہیں لگتا ہے،میں تو اس بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی لیکن

لیکن یہ باتیں خود بخود تمہارے ذہن میں گردش کرتی رہتی ہیں،ہیں ناں،اس نے دعا کی بات بیچ

میں ہی اچک لی اور وہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اس کی سائیکی کو سمجھ چکا تھا۔

تمہیں اتنا کیسے پتہ ہے، وہ حیران نہیں ہوئی بلکہ اس کے ہمیشہ سے لگائے گئے صحیح اندازوں نے اس دفعہ اسے پریشان کر دیا تھا۔۔

بس دیکھ لو، تمہارے بارے میں، میں ویسے بھی کبھی غلط نہیں ہوتا۔اس کی اتراتی آواز گونجی، وہ خود پر ہمیشہ ناز کرتا تھا۔

دعا ہے میں بھی تمہارے بارے میں ہمیشہ درست ہی ثابت ہوں۔یہ یقین کبھی نہ ٹوٹے، یونہی ستانے والے یہ بے وجہ کے خدشے کبھی صحیح ثابت نہ ہوں۔دعا نے ایک دعا مانگ لی تھی۔اس کے قبول ہونے یا نہ ہونے کا پتہ وقت دے گا۔کمرے کی دیواروں نے اس کی دعا پر امین کہا مگر دیوار پر لگی ایک پینٹنگ خاموش رہی بالکل چپ جیسے پہلے ہی سے کچھ راز اس پر عیاں ہوں۔اس پینٹنگ کو دعا نے خود بنایا تھا، اس میں اس کے والد دعا کو گود میں اٹھائے کھڑے ہیں، دعا نے آدھے بازوؤں والی ایک ٹی پینک کلر کی شرٹ پہن رکھی ہے۔وہ دونوں باپ بیٹی پورے دل سے مسکرا رہے ہیں۔یہ ایک مکمل تصویر تھی، تصور کی خیالوں اور خیالوں کو آنکھوں کی بناوٹ سے

کاغذ پر اتار دینا کوئی آسان کام نہیں ہوتا ہے۔وہ تصویر ایک مکمل آرٹ تھی،ایک خوبصورت آرٹ،ہر شے طلب سے بالاتر ہو کر اس میں ایک چیز نمایاں دیکھائی گئی وہ یہ تھی کہ ایک باپ کا بیٹی کو گود میں اٹھائے کھڑے ہونا اور دل کی تہ گہرائیوں سے بھری مسکان جو خوشی کا پتہ دیتی تھی۔دنیا کے حسین ترین تصویروں میں سے ایک تھی،مکمل ہر طرح سے،محبت کے جزبے سے بھرپور،اپنائیت کے ہر انداز کو سراہتی ایک مکمل تصویر تھی۔

oooooooooooooooooo

دوسری طرف سلطان ہاؤس میں بھی خوشیوں کا سماں تھا،چھوٹے سلطان مطلب حمزہ سلطان نے ٹاپ جو کیا تھا۔اس کا باپ اسے گلے سے لگائے کھڑا تھا،ماں قریب کھڑی طمانیت سے اسے تک رہی تھی۔اب وہ اپنے باپ سے الگ ہوا اور ماں نے ماتھے پر بوسہ دیا۔

تم نے اپلائے کیا تھا،انٹرویو کب ہے کوئی ڈیٹ ملی یونیورسٹی والوں کی طرف سے کہ نہیں۔

سلطان صاحب حمزہ سے اگلے ایڈمیشن کے بارے میں پوچھتے ہوئے سامنے رکھے ایک ہلکے نیلے

رنگ کے صوفے پر بیٹھ گئے۔

اپلائے تو میں کب کا کر چکا لیکن ابھی تک ان کی طرف سے کوئی ڈیٹ موصول نہیں ہوئی۔ حمزہ بھی باپ کو طمانیت سے جواب دیتے ہوئے ساتھ پڑے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔اب وہ دونوں برابر میں دو الگ الگ صوفوں پر بیٹھے تھے۔

میں میٹھائی لے کر آتی ہوں۔ماں اتنا کہہ کر چکن کی طرف چلی گئیں۔اس کے چہرے سے مسکراہٹ جدا نہ ہوتی تھی

---

www.novelsclubb.com

یہ منظر تھا گیلانی ہاؤس کا امبر کا رزلٹ بھی آ چکا تھا۔وہ بھی باقی سب کی طرح خوش تھی۔اچھے رزلٹ کسے خوش نہیں کرتے۔امبر اس کی ماں اور بڑی بہن صحن میں بیٹھی تھی ان کے سامنے بھورے رنگ کے میز پر چائے کے دھواں اڑاتے کپ اور ساتھ کپ کیک رکھے تھے۔

آگے کیا سوچا ہے تم نے۔ماں جو امبر کے سامنے کرسی پر بیٹھی تھی چائے کی چسکی بھرتے ہوئے

امبر کو مخاطب کیا۔

میں مختلف پروگرامز میں اپلائے کروں گی جس میں میرٹ بنا داخلہ لے لوں گی۔اس نے کیک کا ٹکرا منہ میں ڈالا اور ذائقہ گھلتا چلا گیا ساتھ ہی چائے کا گھونٹ بھی بھرا۔

بھلا یہ کیا بات ہوئی۔بندے کا کسی چیز میں انٹرسٹ بھی ہوتا ہے۔ایسے کیسے کسی میں بھی لے لوں گی۔ماں کو اس پر غصہ آیا تھا۔ساتھ بیٹھی کنزہ بغیر کسی مداخلت کے گفتگو سن رہی تھی۔

البتہ اس کا کیک ختم ہو چکا تھا ہاں چائے ابھی بھی باقی تھی۔

آپ کو پتہ تو ہے میری ساری دلچسپی اب لکھائی میں ہے۔اور ایک عرصے سے میں لکھ بھی رہی ہوں، میری بکس بھی پبلش ہو رہی ہیں۔اس کے تینوں افسانے اور ناول بک فارم میں دستیاب تھے۔اس کے پاس ہر سوال کا جواب تھا مگر وہ جواب دیتے ہوئے ذرا سا ٹھہرتی، سانس لیتی اور پھر بات مکمل کرتی تھی۔

لکھائی کھانے کو نہیں دیتی۔دور جدید ہے میں چاہتی ہوں تم اپنے پیروں پر کھڑی ہو جاؤ تاکہ کل کو اگر ہم نہ رہیں تو تم کسی کی محتاج تو نہ رہو۔وہ بھی امبر کی ماں تھی۔کنزہ اس سارے جرح کے

درمیان خاموش تماشائی بنی بیٹھی تھی۔

اماں پاکستان میں کوئی بھی ڈگری کرلو بات ایک ہی ہے۔یہاں اگر کسی کو نوکری ملتی ہے تو سفارش پر یا پھر نوٹوں کی گڈیوں سے ملتی ہے۔یہاں ڈگری کونسی ہے یہ کوئی نہیں دیکھتا۔اس کی دلیلیں ہمیشہ ہی مضبوط ہوتی تھیں۔ڈگری میٹر نہیں کرتی اسکلز کو نالازمی ہے۔

بہت زبان چلنے لگی ہے نا،چار لفظ کیا لکھ لیے،پتہ نہیں کونسی بانو قدسیہ سمجھنے لگی ہے خود کو۔اماں کا غصہ مزید بڑھ گیا۔

امبر اٹھی اور ماں کے قدموں میں بیٹھ گئی۔دونوں ہاتھوں سے ماں کے ہاتھ تھام لیے۔ماں نے منہ دوسری طرف کرلیا،امبر ہلکہ سا مسکرائی۔اماں بانو قدسیہ کون سی نہیں ہیں۔وہ ایک ہی ہیں ۔امبر نے کہا تو اماں کا غصہ مزید بڑھنے لگا۔ماں جب بھی ناراض ہوتی تو منہ دوسری طرف پھیر لیتی تھیں یہ ان کی عادت تھی اور ہمیشہ کی طرح امبر انکا منہ ہاتھوں کے پیالے میں بھر کر اپنی طرف پھیر لیتی تھی۔

اماں بات سنیں ناں،اچھا میری طرف دیکھیں۔اماں کافی ضد کے بعد اس کی طرف دیکھنے لگ

گئیں۔

ایسا ممکن ہے کہ میں آپ کی کوئی بھی بات ٹال دوں،اماں مجھے ڈاکٹری نہیں کرنی تھی،میں وہ ٹیسٹ پاس کر بھی جاتی ٹھیک ہے میرا اچھی یونیورسٹی میں داخلہ بھی ہو جاتااور لاکھوں پیسے بہانے کے بعد میں ڈاکٹر بھی بن جاتی پھر اس کے بعد کیااماں ذرا سوچیں تو۔

اس کے بعد تم ہسپتال جاتی۔نوکری کرتی،لوگوں کی مدد کرتی اور کیا۔اماں کا غصہ قدرے کم ہوا تھا۔

وہی تواماں ایک ایسی لڑکی جو اس پیشے کو پسند ہی نہیں کرتی،جس کا اس میں ذرا بھی دل نہیں وہ کیسے مریضوں کو صحت یاب کر پاتی۔کیا ایسے ہاتھوں میں شفا ہوتی جن کو فقط پیسے اور کسی کو خوش کرنے کے لیے کسی پر استعمال کیا جائے۔کیالوگوں کو فایدہ مل پاتا،کیا میں ان کی امیدوں پر پوری اتر پاتی۔اماں سوچیں تو ہم ڈاکٹری کی ڈگری لے کہ بیٹھ جاتے ہیں صرف اس لیے کہ ہم ڈاکٹر کہلائیں۔ہم اپنے بچوں کو ایسی چیزوں کو اپنانے کے لیے فورس کرتے ہیں جن میں انھیں سّرے سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہوتی۔اس لیے شاید ایک موڑ پر جا کر بچے تھک جاتے ہیں۔وہ

ایسی چیزوں کے لیے کوشش کرتے ہیں جو انھیں صرف تھکاوٹ دیتی ہے اور وہ بھی ذہنی تھکاوٹ۔ پتہ ہے پھر اس سے کیا ہوتا ہے۔اس نے سوالیہ انداز میں ماں سے پوچھا۔

کیا ہوتا ہے۔ماں نے جھنجھلا کر پوچھا۔

ذہنی تھکاوٹ کے بعد آتی ہے ڈپریشن کی سٹیج جس میں ہمارے بچے ڈوبتے چلے جاتے ہیں۔اس ڈپریشن کے زمہ دار ہمارے بڑے ہوتے ہیں۔وہ جو اپنے خوابوں کو اپنی اولادوں کے ذریعے پورا کروانا چاہتے ہیں۔

شفانیت کی مرہونِ منت ہے۔جب نیت نہیں ہو گی تو بیمار کو راحت کیسے ہو گی۔دیکھ بھال اگر نیت سے نہ کی جائے تو بیمار کو شفا نہیں ملتی۔کیونکہ شفا طبیب کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔طبیب کا مریض سے وفادار ہونا شفا کے لیے شرط ہے۔اماں سے دیکھ رہی تھیں۔شاید وہ قائل ہونے لگیں تھیں۔تم وفادار نہیں یا ہاتھوں میں شفا نہیں ہے۔اماں کے سوال ختم نہیں ہوتے تھے۔

وفاداری زبردستی نہیں ہوتی اماں۔جہاں نیت نہ ہو وہاں اللہ پھل نہیں دیتا۔جن ہاتھوں کو مریض کا درد محسوس نہ ہو ان میں اللہ شفا کیسے رکھ سکتا ہے۔جس چیز کے لیے آپ حساس نہیں

ہو اس کا احساس کہاں ہو گا۔ جس کا احساس نہیں ہو گا اس کا درد کیسے محسوس ہو گا۔اماں۔ جو تم کہو۔اماں اس سے قائل ہو گئی تھی۔ کنزہ اسے دیکھ کر مسکرا دی۔اسے یقین تھا وہ اماں کو قائل کر لے گی۔اور اس نے کر بھی لیا۔اس کی آنکھوں میں صدیوں کی تھکان تھی۔ کبھی کبھی انسان کتنا سخت ہو جاتا ہے۔اتنا سخت کہ جو بات دوسروں سے چھپانی ہو اسے خود سے بھی چھپا جاتا ہے۔زندگی کئی بار ایسے ٹرن لیتی ہے۔ کہ بندہ حیراں سا بس دیکھے جاتا ہے۔اور آخر کار وہ سب کو قسمت کا لکھا سمجھ کر تسلیم کر لیتا ہے۔

اگلی قسط آئندہ ماہ انشاءاللہ

www.novelsclubb.com

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP: